

U0142

پندرہ سو سال پہلے

۱۰۰۰ سال پہلے

۱۰۰۰ سال پہلے

۱۰۰۰ سال پہلے

تیسرا

عربی

۱۰۰۰ سال پہلے

۱۰۰۰ سال پہلے

۱۰۰۰ سال پہلے

۱۰۰۰ سال پہلے

۱۰۰۰ سال پہلے

قرآن پاک

نواب فصاحت جنگ بہادر ذیل مدظلہ

درد مندوں کی دوا قرآن پاک	گمراہوں کا رہنما قرآن پاک
مومنوں کی ہے حیات جاوداں	قدسیوں کی ہے غذا قرآن پاک
قلبِ مومن کا سکون لازوال	چشمِ حق میں کی ضیا قرآن پاک
مینہ اُس کا گنجِ حکمت بگلیا	جس نے با معنی پڑھا قرآن پاک
سات شہتین اُس کی حق نے بخش دیں	حفاظِ خم نے کر لیا قرآن پاک
پوچھتی ہے جب زباں میں کیا پڑھیں	دل سے آتی ہے صدا قرآن پاک
چشمِ باطن اس سے کھلتی ہے صاف	پڑھ کے دیکھو تو ذرا قرآن پاک
زندگی انساں کی ہے اک آئینہ	اور اُس کی ہے جلا قرآن پاک

کیمیا کی تم کو ناحق ہے تلاش
 آؤ لو گنجینہ فضل و کمال
 مس کو کرتا ہے طلا قرآن پاک
 آؤ لو دیتا ہے بے مانگے تمھیں
 دیر رہا ہے ہر ملا قرآن پاک
 آؤ کو خلق و ثبات عقل و ہوش
 دولتِ صدق و صفا قرآن پاک
 کر رہا ہے سب عطا قرآن پاک
 آؤ لو دیتا ہے بے منت تمھیں
 درسِ تسلیم و رضا قرآن پاک
 آؤ بھر لو ساغرِ مقصد کہ ہے
 چشمہ آبِ بقا قرآن پاک
 پیشوا میں کا ہوا قرآن پاک
 فتح و نصرت ہے اسی کے واسطے
 دیکھے دامن کی ہوا قرآن پاک
 ہوش میں لاتا ہے ہر بہوش کو
 کاش مضبوطی سے لے لے لے لے
 امتِ خیر الوری قرآن پاک
 پھر وہی اسلام کا ہوا وجہ موج
 پھر ہو سب کا دعا قرآن پاک

رحمت اُن پر جو سمجھ کر اے جلیل

پڑھتے ہیں مسج و مسافر اُن پاک

مقدمہ

”سلسلہ اشاعتِ قرآن“ کی یہ پانچویں قسط محمد ائمہ دفتِ قرآنی تحریک سیدہ آباد دکن کی طرف سے شائع کی جا رہی ہے۔ اب تک بعض اہم مسائل پر توجہ دلانے کے علاوہ فقہانی قرآن اور ضرورتِ قرآن کو ایک حد تک اچھی طرح پیش کر دیا گیا ہے اب اس پانچویں قسط میں یہ بتلایا جا رہا ہے کہ قرآن پڑھا کیونکر جائے اس کی صحیح تلاوت کیا ہے۔ اور اس کا اصلی فائدہ کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے جس سے انسان انسان اور مسلمان مسلمان بن جائیں۔

مسلمانوں کے اسلاف نے مسلمانوں کے لئے دین و دنیا کی فلاح و بہبود کا دروازہ کھول دیا تھا۔ خزانے جمع کر دیئے تھے دینِ حق کو غالب کر دیا تھا۔ خلافت قائم کر دی تھی، سلطنت کی بنیاد اتوار کر دی تھی، مدرسے جاری کر دیئے تھے، مغانقا میں اور مجیدیں بنادی تھیں، جاہلادیں دفع کر دی تھیں، خلف اگر اپنی کمائی سے مزید کچھ حاصل نہ کیئے ہوتے بلکہ اگلوں کے اندر ختم کی حفاظت کا سر نہ اپنے کو اہلِ نابت کیئے ہوتے جب بھی ان کی یہ سبت حالت نہ ہوتی تھی آج ہے۔

اسی طرح سلف نے قرآن مجید کی جو کچھ خدمات اب تک انجام دیں وہ کم نہیں ہیں ان کی تالیف و تصنیف اور علم و عمل کا نتیجہ اتنے مولود اور اس قدر ذخیرے فراہم کر چکا ہے کہ اس کو کافی سے نایہ کہتا۔ اے جانہ ہو گا۔ اور یقیناً یہ سب کچھ اس قدر ہے کہ اب اس کے

پڑھنے والے بھی اتنے نظر نہیں آتے۔

قرآن مجید کی خدمت جو کچھ ہو چکی ہو رہی ہے یا اُندہ ہو سکیگی وہ بہت کم ہے۔ قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِزًّا أَلْكَلِمَاتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفِدَ كَلِمَاتُ رَبِّي وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَصْدَرَ۔ کہہ دو کہ اگر دریاسیاحی بن جائیں تاکہ ہمارے رب کے کلموں کو بیان کریں تو اس سے پہلے کہ ہمارے رب کے ایک کلمہ کی تعریف ختم ہو۔ دریابھر سیاحی ختم ہو جائیگی اور اگرچہ کہ اسی کے مانند اور بھی سیاحی لے آئیں۔ یہ سب کچھ اپنی جگہ پر درست ہے لیکن عمل کے لئے تو جو کچھ ہو چکا ہے وہ یقیناً کافی ہے۔

علمائے اسلام میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا جہر تہ ہے اس کے بیان کی حاکمیت نہیں۔ ان کا شاہکار ”احیاء العلوم“ تزکیہ نفس اور اخلاق فاضلہ کے موصول کے لئے ایک ضخیم کتاب ہے، عمل کی نیت سے جس کا مطالعہ قرآن مجید کے علم و عمل کی طرف متوجہ کر دینے کے لئے کافی ہے۔ اسی کتاب کے اندر ایک باب ”تلاوت قرآن“ کا بھی ہے امام رضا موصوف نے اپنی عادت کے مطابق اس باب کے اندر ایک سیر بحث کی ہے فضائل قرآن اور تلاوت کے طریقے کا اجماعی طرح بیان کیا ہے۔ ”دفتر قرآنی تحریک“ نے جس کا فناء قرآنی علم و عمل کا عام کرنا ہے۔ اسی سلسلے میں توفیق ایزدی کے بھر سے ہر اس چیز کو پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے جو اپنے مقاصد کے معیار پر قرآن مجید سے متعلق ہو۔ اس لئے ”احیاء العلوم“ کے اس باب کا پورا ترجمہ کتابی صورت میں شائع کرنا مناسب سمجھا گیا۔

قرآن مجید دنیا کی ہر تالیف و تصنیف سے بے نیاز کر دینے والی کتاب ہے اہل نے اپنی تلاوت کے طریقے خود بتلوائے ہیں اور اس انداز میں اس قدم بتائے ہیں کہ انسانی دسترس سے باہر ہے کہ اس کے عشر مشیر کا احاطہ اور مقابلہ بھی کر سکے۔

مگر غفلت شمار اور حقیقت فراموش انسان کو کیا کہا جائے کہ محتاج ہو کر محتاج سے اپنی حاجت روائی چاہتا ہے مگر غنی کے پاس نہیں جانا چاہتا۔ جھوٹا ہو کر ریزہ چینی اور جھوٹے کلوڈ کے لئے مددگار سے پھرنے کو فخر سمجھتا ہے۔ لیکن آسمانی الوان نعمت اور خدائی دستاویز اس شکم سیر ہونے کی پروا نہیں کرتا، پیاسہ ہے اور تشنگیوں سے پانی مانگ رہا ہے۔ حالانکہ قرآن کے اندر دریائے رحمت جوش زن ہے۔ حالانکہ کیف تحکیم۔ فیہای حدیث بعد از یومنون۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ قرآن مجید اپنی تلاوت کے طریقے آپ بتاتا ہے، اپنی ضرورت کا آپ احساس کرتا ہے اپنے علم و عمل کو آپ ضروری بتلاتا ہے، اپنے فضائل آپ بیان کرتا اور اپنے بے شل و لا جواب اور آخری آسمانی پیغام ہونے کا آپ دعویدار ہے اور حاشا کہ ان امویں وہ کسی انسان کی تالیف و تصنیف کا محتاج نہیں یکاش مسلمان ادھر متوجہ ہوں اور کاش علماء اسلام حقیقی معنوں میں اس کی خدمت کے لئے کمر بستہ نظر آئیں اور کاش ہر گھر اور ہر انسان قرآنی علم و عمل کا مدرسہ اور مدرس بن جائے اور اے کاش ایک ابرہجدہ غرض پوری ہو جائے جس کے لئے خدائے قرآن نے قرآن کو نازل فرمایا ہے۔

قارئین کرام ”سلسلہ اشاعت قرآن“ کی قسط کو مستقل کوئی چیز نہ سمجھیں بلکہ یہ سب کچھ صرف ہیں لئے ہے کہ قرآن کی طرف توجہ منقطع کرائی جائے لہذا تلاوت قرآن کے شائع کرنے کی بھی یہ غرض ہے کہ حقیقی معنوں میں قرآن کی تلاوت کرنیوالے پیدا ہو جائیں۔ و یا اللہ التوفیق۔

یکم ربیع الاول شریف ۱۳۸۴ھ
ابو محمد صلح
دفتر قرآنی تحریک حیدرآباد دکن

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ادبِ تلاوتِ ان

اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان بندوں پر یہ ہے کہ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک سے ان کو شرف بخشا اور اپنی کتاب قرآن مقدس سے ان کی گردنوں میں سنت کا طوق ڈالا۔ یہ وہ کتاب ہے کہ جس پر باطل کا اثر نہیں ہو سکتا اور اہل فکر کے لئے اس کے قصے اور خبروں سے عزت حاصل کرنے کا سامان فراہم ہو گیا۔ چونکہ اس کے اندر احکام کی تفصیل، حلال و حرام کی تفریق بخوبی ہے۔ اس سبب سے سیدھے راستے اور اچھے طریقے کا اختیار کرنا واضح ہو گیا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا اور نور اسی میں ہے اور اسی کی وجہ سے مغالطوں سے نجات ہوتی ہے۔ توحید و ایمان کا حصول اور دائی کی شفا بھی اسی میں ہے۔

یہ وہ کتاب ہے کہ جس جبار نے اس کی مخالفت کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مکر توہی اور جس کسی نے اس کے سوا دوسری کتاب میں علم کو طلب کیا وہ گمراہ ہوا اس کا نام جلیل، نورین اور عروۃ الوثقیٰ ہے۔ اس کتاب کا کام ہے کہ ہر قلیل و کثیر اور صغیر و کبیر پر حاوی ہو۔ اس کے عجائب و غرائب کی کوئی نہایت ہے نہ اہل علم کے نزدیک اس کے فوائد کی کوئی حد۔ یہ عجیب کتاب ہے کہ تلاوت والوں کے نزدیک زیادہ پڑھنے سے پرانی نہیں ہوتی،

بلکہ ہر بار جدید لذت دیتی ہے اولیں و آخریں کو ہدایت کرتی ہے۔

یہ وہ کتاب ہے کہ جب اس کو جنوں نے سنا تو اپنی قوم کی طرف جلد رجوع کیا اور اپنے ایمان لانے کا ان لفظوں میں اظہار کیا۔ اِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا یُنَادِیْ اِلَی السَّعَادَاتِ خَالِمَتَابِهٖ وَکُنْ بُشْرًا لِّکَیْتَابِہٖ۔ جنوں نے کہا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے جو نیک راہ کو بھجواتا ہے ہم اس پر ایمان لائے اور ہم آج سے اپنے رب کا کسی کو ہرگز شریک نہ بنائیں گے۔ اس کتاب پر جو ایمان لایا وہی صاحب توفیق ہے اور جو اس کا قائل ہو وہی اہل تصدیق ہے۔ جس نے اس کے ساتھ تسک کیا اس کو ہدایت ملی اور جس نے اس کے بموجب عمل کیا اس نے سعادت حاصل کی اور فلاح پائی۔ یہ وہ کتاب ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَکَ لَخَافِطُوْنَ ہم نے اس کو نازل کیا ہے اور ہمیں اس کی حفاظت کرنوالے ہیں۔ اور مصاحف میں اس کے محفوظ رہنے کا سبب روزمرہ کی تلاوت اور اس کے آداب شریک رعایت ہے۔ نیز جو کچھ اس میں اعمال باطنی اور آداب ظاہری ہیں اس کی حفاظت بھی اسی روزمرہ کی تلاوت سے ہے لہذا ان امور کو بیان کیا جاتا ہے جو اس سے متعلق ہیں۔

تلاوت قرآن مجید کی فیضیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآن پڑھے پھر یہ جانے کہ کسی کو مجھ سے زیادہ تلاوت ہوگا تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ خدا کے تعالیٰ نے جس چیز کو بڑا کیا ہے وہ اس کو چھوٹا جانے لگا۔

ارشاد ہے قیامت کے دن خدا کے تعالیٰ کے نزدیک قرآن سے بڑھ کر مرتبہ والا کوئی

شفیع ہے اور نہ کوئی نبی۔

أَفَصْلٌ عِبَادَةً أَمَّتِي بِلَا وَتَوَالِفٍ مَن مِيرِ اَمْتِ كِ سَاىِ عِبَادَتِ سَے
بڑھ کر قرآن کی تلاوت افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خلقت کے پیدا کرنے سے ہزار ہاں پیشتر سوسو نہ طلبہ اور
یلسین تلاوت فرمائی تو فرشتوں نے سُن کر کہا وہ امت خوش نصیب ہے جس پر یہ اُتر گیا
اور ان دلوں کے لئے خوشحالی ہے جو اسے یاد کریں گے اور اس زبان کو بھی جو اسے پڑھ لے گی
ارشاد ہے خیر کم من تعلم القرآن وعلمہ اے مسلمانو تم میں سے
بہترین ہے جو شخص جو قرآن کو سیکھے اور دوسروں کو سکھلائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس شخص کو قرآن پڑھنے کی کثرت مجھ سے سوال کرنے اور
دعا مانگنے سے روکے میں اس کو شکر گزاروں کے ثواب سے بہتر عنایت کروں گا۔ تین
شخص قیامت کے دن ایسے مقام پر ہوں گے جہاں ان کو نہ کسی قسم کا خوف ہوگا اور نہ
ان سے حساب لیا جائیگا ان میں سے ایک وہ شخص ہے جس نے قرآن کو خدا سے تعالیٰ
کی رضا جوئی کے لئے پڑھا اور لوگوں کا امام ہوا اور وہ لوگ اُس سے خوش رہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُکَ الْقُرْآنَ دِلًّا وَخَاصَّةً۔ قرآن والے اللہ کے خاص لوگ ہیں۔ ارشاد ہے کہ یہ
دل لوہے کی طرح سے زنگ آوہ ہو جاتا ہے اس کے جلا کی صورت قرآن کی تلاوت
اور موت کھایا ہو کر نا ہے۔

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کو پڑھو یہ پڑھنے کی چیز ہے
اس بات سے غلط میں نہ پڑ جاؤ کہ قرآن تمہارے پاس موجود ہیں، تمہاری کھونٹیوں،
تمہاری الماریوں، اور تمہارے طاقتوں پر دھرے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُس دل کو

عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا جو قرآن کا ظرف ہو۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ جب تم علم کا ارادہ کرو تو قرآن کا علم حاصل کرو۔ کہ اس میں انگوٹوں کے علم بھی ہیں اور پتھروں کے بھی۔

انہیں سے روایت ہے کہ تم قرآن کو پڑھو کہ اس کے ہر حرف پر دس نیکیوں کا ثواب لینگا اور یہ نہ سمجھنا کہ الہم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام دوسرا اور میم تیسرا حرف ہے۔

یہ بھی اُن ہی کا قول ہے کہ تم میں سے جب کوئی اپنے نفس سے درخواست کرے تو قرآن کی ہی کرے اس لئے کہ اگر قرآن سے محبت رکھتا ہوگا اور قرآن اس کو اچھا معلوم ہوتا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلعم سے محبت رکھتا ہوگا اور اگر قرآن سے بغض رکھتا ہوگا تو اللہ اور اُس کے رسول سے بغض رکھتا ہوگا۔

عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن کی ہر ایک آیت جنت کا ایک درجہ ہے۔ اور تمھارے گھروں کا چراغ ہے۔

یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے اُس کے ہر دو پہلو میں نبوت منبج ہو جاتی ہے صرف اتنا فرق ہوتا ہے کہ اُس پر وحی کا نزول نہیں ہوتا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جس گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہے وہ گھر کے لوگوں پر سوج ہو جاتا ہے اور اس میں برکت کی کثرت ہو جاتی ہے اُس میں فرشتے آتے ہیں اور وہاں سے شیاطین نکل جاتے ہیں۔ اسی طرح جس گھر میں قرآن نہیں پڑھا جاتا وہ غروالوں پر تنگ ہو جاتا ہے اُس کی برکت کم ہو جاتی ہے اُس میں فرشتے چلے جاتے ہیں اور شیطان اُموجد ہوتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ الہی حمی چیزوں سے تعرب کے طالب تیرا قرب حاصل کرتے ہیں ان میں سے افضل کون سی چیز ہے فرمایا کہ اے احمد بن حنبل میرے کلام سے تعرب چاہنا ہے۔

احمد محمد بن مسعود قزلی نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب آدمی قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ سے سنیں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ گویا اس سے پہلے کبھی نہ سنا تھا۔

فصیل بن عباس رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قرآن کے حافظ کو چاہیے کہ بادشاہ سے لیکر ادنیٰ شخصوں تک کسی کی طرف احتیاج کی نظر سے نہ دیکھے۔ لازم تو یہ ہے کہ خلعت اُس کی حاجت مند ہو۔

انہیں کا قول ہے کہ جو شخص قرآن کا حافظ ہے وہ اسلام کا علمبردار ہے اس کو چاہیے کہ ہوا، سہو، اور لغو والوں کے ساتھ نیچے درجوں والے امور میں مشغول نہ ہو کہ قرآن کی تعلیم اسی بات کی متقاضی ہے۔

حضرت سیفان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ جب آدمی قرآن پڑھتا ہے تو فرشتہ اُس کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیتا ہے۔

عمر بن مہیونؒ کہتے ہیں کہ جو شخص صبح کی نماز کے بعد قرآن کھول کر سو آیتیں پڑھے تو اللہ تعالیٰ اُس کو تمام دنیا والوں کے عمل کے برابر ثواب عنایت فرماتا ہے۔

مروی ہے کہ خالد بن عقبہؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے سامنے قرآن پڑھے آپ نے آیت **إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ** بیشک اللہ تم لوگوں کو عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔ آخر تک تلاوت فرمائی۔ خالد نے عرض کیا کہ دوبارہ پڑھیے آپ نے دوبارہ تلاوت فرمائی۔ انہوں نے کہا اس میں تو

حلاوت بھی ہے اور ملاحت بھی اس کے نیچے کا حصہ مینہ برساتا ہے تو ادھر کا حصہ بہت سا
ثرہ رکھتا ہے یہ آدمی کا قول نہیں ہے۔

حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے کہ بخدا قرآن سے بڑھ کر کوئی تو نگہری نہیں سارہ
اس کے بعد کوئی احتیاج۔

حضرت فیصلؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص سورہ مشرک کا اخیر حصہ صبح کے وقت پڑھے اور
اُسی روز اُس کی تفسار ہو تو وہ قطعی شہید ہے اور جو کوئی اس کو شام کو پڑھے اور اسی رات
میں مرے تو اس کا بھی یہی حال ہے۔

قاسم بن عبد الرحمنؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک عابد سے پوچھا کہ بیان کوئی ایسا
نہیں جس سے تم کو اُفس ہو۔ انھوں نے اپنا ہاقد قرآن مجید کی طرف بڑھا کر اُس کو اپنی
گو د میں رکھ لیا اور کہا کہ یہ ایس ہے۔

حضرت علیؒ کرم اللہ وجہہ ایشاد فرماتے ہیں کہ تین چیزیں ہیں جن سے حافظ
زیادہ ہوتا ہے اور وہ بلغم کو دور کرتی ہیں۔ اول مسواک کرنا، دوم روزہ رکھنا، سوم
تسبیح پڑھنا۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ اکثر لوگ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں حالانکہ
قرآن اُن پر نعمت کرتا ہے۔

میسرہ کا بیان ہے کہ جب کار آدمی کے پیٹ میں قرآن بکیں و مسافر کے ماتہ ہے۔
اور ابوسہمان دارانیؒ کہتے ہیں کہ جب قرآن کے حافظ قرآن پڑھنے کے بعد اللہ تعالیٰ
کی نافرمانی کریں تو جانو کہ دوزخ کے فرشتے بت پرستوں کی نسبت ایسے ہی حافظوں کو
جلہ پکڑیں گے اور بعض علمائے فرما رہے ہیں کہ جب آدمی قرآن پڑھتا ہے پھر دوسری گفتگو

اُس میں ملا دیتا ہے پھر پڑھنے لگتا ہے تو اُس سے کہا جاتا ہے کہ تمجو ہمارے کلام سے
فیضانِ اسطیٰ اور ابنِ ربیع کا قول ہے کہ میں کلامِ معبود کو یاد کر کے پکیتا ہاں لے لے میں نے
سننا ہے کہ قیامت کے دن قرآن دانوں سے وہ سوال ہوگا جو انبیاء علیہم السلام سے ہوگا۔

تلاوت کے ظاہری آداب

قرآن کی تلاوت کرنے والے کو چاہیئے کہ با وضو ادب و وقار کی صورت میں کھڑے
ہو کر یا بیٹھ کر قبلہ رخ گردن جھکائے ہوئے ہو چہاں زانو یا یکپہ لگا کر تلبیۃ اشکل میں تلاوت
ذکر سے اور تنہا اس طرح بیٹھے جیسے شاگرد استاد کے سامنے بیٹھتے ہیں اور یہ حالت سب
بہتر ہے کہ قرآن کو نثار کے اندر کھڑے ہو کر سجد میں پڑھا جائے بے وضو لیٹ کر پڑھنے کا
بھی ثواب ہے۔ لیکن اول الذکر تلاوت افضل اہل میں سے ہے۔ ارشاد باری ہے۔
الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُونَ فِي
خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَذَكِّرُونَ ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کھڑے
پر لیٹے اور وہ بیان کرتے ہیں آسمان و زمین کی پیدائش میں۔ اس آیت میں اگرچہ ہر
حالت کی تفریع فرمائی لیکن قیام چونکہ افضل ہے۔ اس لئے اس کو اول بیان فرمایا۔
اس کے بعد قعود اور پھر سب سے آخر میں لیٹ کر تلاوت کرنے کا ذکر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص قرآن کی تلاوت نثار کے
اندر کھڑا ہو کر کرے اُس کو ہر حرف کے بدلے میں سو نیکیوں کا ثواب ملے گا۔ اور نماز کے اندر
بیٹھ کر پڑھنے والے کو ہر حرف پر پچاس نیکیوں کا اور جو نماز میں نہ ہو مگر با وضو قرآن پڑھے

تو پچیس ٹکیوں اور بے وضو پڑھنے والے کو دس کا ثواب ملے گا۔ رات کے وقت چونکہ جمعیت خاطر ہوتی ہے اس سے اگر رات میں قیام کے اثناء تلاوت ہو تو سب سے بہتر ہے۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سجدوں کی کثرت دن میں اور قیام کی زیادتی شب میں ہونی چاہیے۔

تلاوت کی مقدار بہت اور معمولاً پڑھنے میں عادات جدا جدا ہیں دن رات میں کوئی تو ایک ختم کرنا ہے کوئی دو اور بعض نے تین ختم تک نوبت پہنچا دی ہے۔ لیکن بعض لوگ ایک مہینہ میں ایک ختم کرتے ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ مقدار قرات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی طرف رجوع کیا جائے آپ فرماتے ہیں من قرأ القرآن فی اقل من ثلث لیلہ یفتحه جس شخص نے قرآن کو تین دن سے کم میں پڑھا اس نے اس کو (یعنی قرآن کو) نہیں سمجھا کیونکہ اس مقدار سے زیادہ پڑھا حق تلاوت کے ادا کرنے کو مانع ہے ائمہ المؤمنین حضرت عائشہؓ نے ایک شخص کے متعلق سنا کہ قرآن مجید کو بہت جلد پڑھتا ہے تو فرمایا کہ اس شخص نے نہ تو پڑھا اور نہ چمکا رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمرؓ کو ارشاد فرمایا کہ ایک ہفتہ میں ایک قرآن کا ختم کیا کرو۔ چنانچہ صحابہ میں سے حضرت عثمانؓ زید بن ثابتؓ ابن مسعودؓ اور ابی بن کعبؓ کا یہی دستور تھا کہ ہفتہ میں ایک ختم کیا کرتے تھے۔

ختم کے چار درجے ہیں شب و روز میں ایک ختم جس کو کچھ لوگوں نے مکروہ جانا ہے دوسرے ہر روز ایک پارہ کے حساب سے مہینہ بھر میں ایک ختم مگر یہ قرات بہت ہی کم بالمقابل اول کے ہے سان دونوں کے درمیان کی دو درمیانہ درجہ کی ہیں ایک یہ کہ ہفتہ میں ایک یا ختم کریں اور دوسرے یہ کہ ہفتہ میں دوبارہ تاکہ تقریباً تین دن میں ایک ختم ہو جائے اس صورت میں تعجب یہ ہے کہ ایک ختم دن میں پڑھا جائے۔ دوسرا

شب میں۔ دن والے ختم کو دو شنبہ کے روز صبح کی دو رکعتوں میں یا ان دونوں کے بعد تمام کیا جائے اور اوقات کے ختم کو جمعہ کی شب میں مغرب کی دو رکعتوں میں یا ان کے بعد تمام کیا جائے یہ اس لئے تاکہ اول روز اور ابتدا شب میں دونوں ختم ہو جائیں اگر ختم شب کو ہوتا ہے تو فرشتے صبح تک قری پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں اور اگر دن کو ہوتا ہے تو یہی حال شام تک رہتا ہے تو ابتدا روز و شب میں ختم سے یہ فائدہ ہے کہ فرشتوں کی برکت تمام دن اور رات کو عادی ہوگی۔

مقدارِ قرأت کی تفصیل یہ ہے کہ اگر پڑھنے والا عابد ہو اور طریقِ آخرت کو عمل کے ذریعہ سے طے کرنا چاہتا ہے تو اس کو ایک ہفتہ میں دو ختم سے کم نہیں کرنا چاہیے اور اگر دل کے اعمال سے طے کرنا یا تعلیم میں مصروف رہتا ہے تو اس کے لئے ایک ہفتہ میں ایک ختم ہی کافی ہے اور اگر قرآن مجید کے معانی میں بہت زیادہ غور کرتا ہو تو اس کو ایک مہینہ میں ایک ہی ختم بس ہے۔ کیونکہ اس کو کم پڑھنے اور معانی کے سوچنے میں وقت زیادہ چاہئے۔

تلاوت کی منزلیں | جو شخص ہفتہ میں ایک ختم کرنا چاہیے اس کے لئے قرآن مجید کی سات منزلیں ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ایسا ہی کیا ہے۔ مردی ہے کہ حضرت عثمانؓ شب جمعہ کو شروع سے لیکر سورہ امانہ کے اخیر تک پڑھتے اور شنبہ کی شب کو انعام سے ہود تک اور یکشنبہ کی رات کو سورہ یوسف سے حرم تک اور دو شنبہ کی شب کو طہ سے قصص تک اور منگل کی رات کو صافات سے صافات تک اور بدھ کی رات کو زمر سے سورہ رحمن تک اور پنجشنبہ کی رات کو سورہ واقعہ سے اخیر قرآن مجید تک اور حضرت ابن کثیرؒ بھی سات ہی منزلوں پر تقسیم کرتے تھے مگر ان کی ترتیب جدا تھی۔

کچھ ہیں کہ قرآن کی سات منزلیں ہیں جس کو اب فی مثنوی کہتے ہیں۔ پہلی

منزل تین سورتوں کی دوسری پانچ کی تیسری سات کی چوتھی نو کی پانچویں گیارہ کی چھٹی تیرہ کی ساتویں سورہ قاف سے لیکر اخیر تک کی۔ فی مثنوی یعنی ف سے فاقہ م سے مامہ ی سے یونس ب سے بنی اسرائیل ش سے شعراء و سے والقافات اور ق سے سورہ قاف مراد ہے صحابہ کی مقرر کردہ یہی منزلیں ہیں اور وہ اسی طبع پر صاحبی کرتے تھے۔ یہ ترتیب خمس، عشر اور اجزائے بننے سے پہلے کی ہے اور اس کے بارے میں آنحضرت معلوم کی ایک حدیث بھی مروی ہے۔

قرآن مجید کی کتابت | منتخب ہے کہ قرآن مجید کو خوشخط اور صاف لکھا جائے۔ سرخ روشنائی سے لفظ اور علامات کے اظہار میں مضائقہ نہیں کیونکہ اس میں زینت، توضیح اور پُرپنہ والوں کو غلط چڑھنے سے روکتا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ اور ابن سیرینؒ ان مجید میں مس، عشر اور جزد کو برآ جانتے تھے۔ شعبیؒ اور ابراہیمؒ سے مروی ہے کہ وہ بھی سُرخ سے نقطے اور اس پر اجرت لینے کو مکروہ جانتے تھے اور قرآن مجید کو صاف کھنے کی تاکید کرتے تھے اگرچہ اس میں کوئی خرابی نہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ آئندہ جن خرابیوں کا گھمان ہو سکتا تھا اس کا پہلے ہی سے سد باب بد نظر تھا لہذا ان امور سے اگر کسی قسم کی خرابی نہ ہو تو ان کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ان کا نوبت اچا ہونا بڑی بات نہیں کیونکہ بہتیری ایجاد قائمہ مند ہیں۔ لہذا ان سے بے اعتنائی نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ تراویح کے متعلق مشہور ہے کہ حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے۔ مگر بہتر ایجاد دعاؤ بر صحت مند ہے۔ بُری ایجاد یا بُری بدعت وہ ہے جو سنت کے تضاد اور سنت کو بدل دینے والی ہو۔ بعض کا برکاتِ قول ہے کہ وہ نقطے لکائے ہوئے قرآن مجید کی تلاوت کو کر لیتے تھے لہذا اس سے بچتے تھے اور امدادی بھی بن کثیر سے نقل کرتے ہیں کہ پہلے قرآن مجید

مصحف میں بالکل صاف تھا۔ پہلے پہل جو بات نئی پیدا ہوئی وہ یہ کہ اب اور تہ نقطے دیئے گئے۔ ان کا قول ہے کہ اس کا کوئی مضائقہ نہیں کہ یہ قرآن کا نور ہے۔ پھر اس کے بعد اختتام پر بڑے نقطے ایجاد ہوئے انھیں کا قول ہے کہ اس میں بھی کوئی بہرہ نہیں نکر ان سے آیات کا سیرا معلوم ہوتا ہے اور اس کے بعد انجام و آغاز کے نشانات پیدا ہوتے۔ ابو بکر ہذلی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حسن بصریؒ سے دریافت کیا کہ مصحف میں سرخ اعراب لگانا کیسا ہے تو انھوں نے فرمایا کہ قرآن پر اعراب لگانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ خالد کا قول ہے کہ میں حضرت ابن سیرینؒ کے پاس گیا اور ان کو دیکھا کہ اعراب دیئے ہوئے قرآن میں تلاوت کر رہے ہیں حالانکہ اعراب کو بُرا جانتے تھے کہتے ہیں کہ اعراب لگانے کی ایجاد حجاج کی ہے اُس نے قاریوں کو بلایا۔ قرآن مجید کے کلمات و حروف گنے گئے پھر برابر برابر تھے کر کے تیس پاروں میں تقسیم کیا، نصف اور ربع قرار دیئے گئے۔

<p>عنقریب بیان آئیگا کہ قرأت سے مراد تفکر ہے۔ پس ظاہر ہے کہ جب اچھی طرح نہہر کر پڑھیں گے تو تفکر پر مدد ملے گی۔ حضرت اہم سلمہ رضی اللہ عنہا نے انھیں تعلیم کی قرأت کی صفت بیان کی تو ایک</p>	<p>قرآن مجید کا اچھی طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھنا مستحب ہے۔</p>
--	---

ایک کلمہ کو جدا جدا کر کے بیان کیا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں اگر سورہ بقرہ آل عمرانؓ نہہر کر پڑھوں اور ان کو سمجھتا جاؤں تو اس سے بہتر سمجھتا ہوں کہ پورے قرآن کو جلد جلد پڑھ جاؤں۔ یہی انھیں کا ارشاد ہے کہ میں اگر اذا انزلت اور القاۃ کو سمجھ کر پڑھوں تو اس سے بہتر سمجھتا ہوں کہ سورہ بقرہ آل عمران کو گھسیٹ جاؤں۔ کسی نے مجاہدؒ سے پوچھا کہ دو شخص نماز میں کھڑے ہوئے اور برابر ہی کھڑے رہے مگر

ایک نے سورہ بقرہ پڑھی اور دوسرے نے پورا قرآن پڑھا تو کول زیادہ مستحق ہوا تو جواب دیا کہ دروزل کا ثواب برابر ہوا۔ یاد رکھنا چاہئے کہ ٹھہر کر پڑھنا صرت اس لئے مستحب نہیں ہے کہ اُس کے معنی ہی سمجھے جائیں۔ کیونکہ عجمی اگر عربی نہ سمجھتا تو وہ قرآن کے معنی کیونکہ سمجھے گا۔ تاہم پڑھنا اُس کے لئے عجمی ٹھہر کر مستحب ہے کیونکہ ٹھہر کر پڑھنے میں قرآن کی توقیر اور حرمت جلد پڑھنے کی نسبت دل پر زیادہ اثر کر رہی ہے۔

قرأت کے ساتھ | آنحضرت معلّم کا ارشاد ہے کہ قرآن پڑھو اور گریہ کرو اور اگر رونا نہ
رہنا مستحب ہے | آئے تو (کم سے کم) رولی صورت بناؤ۔ یہ بھی ارشاد ہے لیں

منا من لم یبتغنی بالقرآن وہ ہم میں سے نہیں جو قرآن میں خوشحالی نہ کرے
صالح مری کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت معلّم کے سامنے خواب میں قرآن مجید پڑھا آپ
نے فرمایا کہ صالح یہ تو قرأت ہوئی نہ ناکھاں ہے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب
تم سجدے والی آیت پڑھو تو سمجھ کرنے میں جلدی نہ کرو۔ اور اُس وقت تک فارغ نہ ہو
جب تک گریہ نہ کرو۔ اور اگر تم میں سے کسی کی آنکھ سے آنسو نکلے تو لازم ہے کہ اس کا
دل زاری کرے۔ بے تکلف رونے کی یہ صورت ہے کہ اپنے دل پر حزن کا عالم طاری
کرے کیونکہ رونا غم سے ہی پیدا ہوتا ہے۔ آنحضرت معلّم کا ارشاد ہے کہ قرآنِ حُرّان
کے ساتھ نازل کیا گیا ہے پس جب تم اُس کو پڑھو تو حزن اٹھاکر اور حزن کے دل
میں موجود کرنے کی یہ تدبیر ہے کہ قرآن کی تہدیک و حید، معجزات و معنیات کو
سوچے اور پھر اُس کے ادا و نواہی کے پورا کرنے میں اپنی کوتاہیوں کا خیال کر لے
تو یقیناً یہ ہے کہ اس سے ضرور حزن پیدا ہوگا اور باعثِ گریہ ہوگا اور اگر اس
تدبیر سے بھی صاف دل والوں کی طرح رونا نہ آئے تو حزن و گریہ کے نہ ہونے پر

رونا چاہیے کہ یہ انتہا درجہ کی سخت دلی ہے۔

آیات کے | یعنی جب آیت سجدہ پر گزر ہو تو سجدہ کرنا چاہیے یا دوسرے سرائے سجدہ کا
حق کا لحاظ | منے تو پڑھنے والے کے ساتھ خود بھی سجدہ کرے۔ مگر سجدے کا

حالتِ طہارت میں ہونا ضروری ہے۔ قرآن مجید میں کل چودہ سجدے ہیں۔ سجدہ تلاوت
کا اولیٰ درجہ یہ ہے کہ اپنی پیشانی زمین پر لگا دے۔ اور کمال سجدہ یہ ہوگا کہ تکبیر کہہ کر
سجدہ کرے اور سجدے میں ایسی دھماکے جو آیت سجدہ سے مناسبت رکھتی ہو۔ مثلاً
جب یہ آیت آئے خرو اسجد او سجوا لجمہل سبہم لایستکبرون ؕ تو
سجدے کے اندر یہ دھماکے۔ اے اللہ تو مجھ کو اپنی ذات کے لئے سجدہ
کرنے والوں میں اور اپنی حمد کے ساتھ پاکی بیان کرنے والوں
میں بنادے میں اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ تیرے حکم
سے ہجرت کرنے والا بنوں۔ یا تیرے دوستوں پر بڑائی جتانے والا بنوں اس آیت
و یخسر دن لا ذقان یمکون یزید ہم خشوعاً پر گزرے جس کا مطلب یہ ہے۔
اور ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے گرتے ہیں اور ان کی عاجزی میں نیا دلتی ہوتی ہے
تو یہ دعا کرے۔ الہی تو ہم کو روئے والوں میں سے کر دے۔ اور اچھے سامنے فروتنی کرنے
والوں میں سے بنا دے۔ غرض یہ ہے کہ سجدے کی آیت کے موافق سجدے میں دُعا
پڑھنی چاہیئے۔

سجدہ تلاوت کے لئے بھی وہی شرطیں ہیں جو نازکے لئے ہیں۔ ستر عورت کا
ڈھانکنا۔ قبلہ رو ہونا۔ کپڑے کا پاک ہونا۔ جسم کا حدث اور نجاست سے ظاہر ہونا۔ اگر آیت
سجدہ کا سننے والا اس وقت طہارت سے نہ ہو تو پھر جس وقت طہارت کرے اس وقت

سجدہ کرے۔

سجدہ تلاوت کے کمال ہونے کے متعلق بعض اکابر نے فرمایا ہے کہ نیت تحریر کے لئے
 اِتِّخَاذاً کر چاہئے اللہ اکبر کہے پھر سجدہ کرنے کے لئے اللہ اکبر کہے اسی طرح سر اٹھانے کیلئے
 اللہ اکبر کہے اس کے بعد سلام پھیرنا چاہیئے۔ بعض نے سجدہ تلاوت میں تشہد کو بھی شامل
 کیا ہے جس کی اس کے سوا کوئی اصل نہیں معلوم ہوتی کہ اس کو بھی نماز پر قیاس کیا ہو
 مگر یہ بعید ہے اس لئے کہ سجدے کا حکم سجدے کی جہت سے ہے لہذا اس میں لفظ
 سجدے کا بھی لحاظ کرنا چاہیئے۔ اور معتدی کو لازم ہے کہ امام کے سجدہ کرنے کے وقت
 سجدہ کرے۔ اقلہ اکی حالت میں اپنی تلاوت کا سجدہ نہ کرے۔

تعوذ و تسمیہ | تلاوت شروع کرتے وقت اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ
 مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ۔ سب اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَزَاتِ الشَّیْطَانِ
 وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ یَّحْضِرَ دُنَّہٗ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ اور
 سورۃ الحمد پڑھنی چاہیئے اور ہر سورت کے تمام ہونے پر صدق اللہ
 تعالیٰ و بلغ ما سئل اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اللّٰهُمَّ اِنْفَعْنَا
 وَ بَارِكْ لَنَا فِیْہِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ بِرَأْسِ الْعَالَمِیْنَ وَ اسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ
 کہنا چاہیئے۔ اثنائے تلاوت میں جب آیت فاتحہ پر گزرتو سبحان اللہ واللہ اکبر
 کہے۔ دعا و استغفار کی آیت پر دعا و استغفار کرنا چاہیئے۔ آیت رجا پر جہاں امید
 دلائی گئی ہو۔ اس کی درخواست کرنی چاہیئے اور خوف کی آیت پر پناہ مانگنی چاہیئے
 خواہ زبان سے ہر ایدل سے تلاویں کہے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اللّٰہُمَّ ارْزُقْنَا اللّٰہُمَّ
 ارحمنا۔ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ الہی ہم کو روزی دے کہ اللہ ہم پر رحم کر۔

حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرتؐ معلم کے ساتھ نماز پڑھی تا پنے
 سورۃ بقرہ شروع کی تو کسی آیتِ رحمت پر نہ گزرے کہ دعا مانگی ہو کسی آیتِ عذاب پر نہ
 گزرے کہ پناہ مانگی ہو کسی آیتِ تنزیہ کو تلاوت نہ فرمایا کہ سبحان اللہ نہ کہ لہو تلاوت
 سے فلیغ ہونے کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہیے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عزم کے وقت
 فرمایا کرتے تھے۔ اللھم! ارحمنا بالقراءان واجعلہ لی اماماً ونوراً
 وھدی ورحمۃ اللھم! ذکر فی منہ مانسیت وعلینی
 منہ ما بھلت وامن رقی تلاوتہ انا واللیل واطراف النھار
 واجعل منی حجتاً یا رب العالمین۔ الہی مجھ پر قرآن کے ذریعہ رحم فرما۔
 الہی قرآن کو میرا امام بنادے، الہی قرآن کو میرے لئے نور اور ہدایت گرداں۔ الہی جو
 میں بھول گیا ہوں اس کو قرآن کے ذریعہ یاد دلادے، الہی مجھ کو قجادے جو میں نے نہ
 جانا ہو۔ رات کی گھڑیوں میں دن کے اوقات صبح و شام میں مجھ کو قرآن کی تلاوت کی توفیق
 عطا فرما۔ اسے سارے جہاں کے پروردگار تو میرے لئے قرآن کو حجت فرمادے۔

قرآن مجید کی آواز | اتنا آواز بلند سے پڑھنا تو بیشک ضروری ہے کیا پنا پڑھنا آپ
 بلند تلاوت | سُن لے اس لئے کہ قرأت کے معنی یہ ہیں کہ آواز سے حروف پارہ
 پارہ ہو جائے۔ لہذا آواز کا قرأت میں ہونا ضروری ہے جس کے ٹکڑے ٹکڑے ہوں
 اور دینی امر تبہ کی قرأت یہ ہے کہ اپنی آپ سُنے اور اگر خود نہ سینگا تو ایسی قرأت سے
 نماند نہ ہوگی اس لئے کہ وہ داخل قرأت باقی نہیں رہا۔ اتنا پکار کر پڑھنا کہ دوسرا شخص
 سُنے تو وہ ایک طرح سے اچھا ہے اور ایک وجہ سے اچھا نہیں۔

آہستہ پڑھنے کے مستحب ہونے پر یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا۔ آہستہ پڑھنے کی فضیلت بچا کر پڑھنے والے پر اتنی ہے جتنی خینہ صدقہ دینے کی
 علانیہ خیرات دینے پر۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ قرآن کو بچا کر پڑھنے والا ایسا ہے
 جیسے علانیہ صدقہ دینے والا۔ اور آہستہ پڑھنے والا ایسا ہے جیسے غیبیہ خیرات کرنے والا
 اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ خینہ عمل علانیہ عمل سے ستر گنا زیادہ ہے اور اسی
 طرح یہ ارشاد خیر السہق مایکفم وخیر الذکر الخفی بہتر رزق دہ ہے جو
 کاغذی ہو اور بہتر ذکر وہ ہے جو آہستہ ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا مغرب
 اور عشا کے درمیان کی قرأت میں ایک دوسرے پر بچا کر کرمت پڑھو۔ محمد نبوی صلعم
 میں ایک رات سید بن مسیب نے حضرت عمر بن عبد العزیز کو دیکھا کہ نماز میں کلام
 مجید آواز بلند پڑھ رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے غلام سے کہا کہ اس نمازی کے
 پاس جاؤ اور کہو کہ اپنی آواز کو سبوت کرو۔ غلام نے کہا کہ مسجد کچھ ہماری نہیں اس میں
 اس شخص کا بھی نماز پڑھنے کا حق ہے۔ میں منع نہیں کر سکتا۔ حضرت سید نے بلند
 آواز سے کہا کہ اے نمازی اگر تجھ کو اپنی نماز سے مقصود خدا کے تعالیٰ ہے تو اپنی
 آواز کو سبوت کرو اور خلق مقصود ہے تو وہ خدا کے لیے یہاں تیرے کسی کام نہ آئیگی۔ یہ سنکر
 حضرت عمر بن عبد العزیز چپ ہو گئے۔ رکعت کا اختصار کیا اور سلام پھیر اپنی جوتیاں
 لے کر مکان کو چلے گئے۔ آپ خوش آواز نغمے اور اس زمانے میں مدینہ منورہ کے گورنر تھے۔
 بچا کر پڑھنے پر یہ روایت دلالت کرتی ہے کہ آنحضرت صلعم نے اپنے چند
 اصحاب کو نماز کی نماز میں قرآن بچا کر پڑھتے ہیں تو آپ نے ان کے پڑھنے کو
 درست فرمایا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی رات کے وقت اٹھ کر
 نماز پڑھے تو قرأت آواز بلند سے ہو کیونکہ فرشتے اور اس مکان کے جنات اُسی قرأت

نستے ہیں اور وہی نماد وہ بھی پڑھتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر اکثر اصحاب میں سے ایسے تین شخصوں پر ہوا۔ جن کے حالات مختلف تھے حضرت ابو بکرؓ کو دیکھا کہ بہت آہستہ پڑھ رہے تھے آپ نے اُن سے اس کا سبب دریافت فرمایا تو حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ جس سے میں مناجات کرتا ہوں وہ بیشک میری سنتا ہے۔ حضرت عمرؓ کو دیکھا تو وہ پکار پکار کر پڑھ رہے تھے آپ نے اُن سے اس کی وجہ پوچھی تو انھوں نے عرض کیا کہ میں سُنوتوں کو جگاتا ہوں اور شیطان کو جھڑکتا ہوں۔ اسی طرح حضرت بلالؓ پر گزرے تو دیکھا کہ وہ چند آیتیں ایک سورت کی اور چند دوسری کی ٹاکر پڑھ رہے ہیں جب ان سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو عرض کیا کہ میں عمدہ و عمدہ کے ساتھ تلازم ہوں آپ نے فرمایا کہ تم سب نے خوب کیا اور بہتر کیا۔

یہ خفیہ اور علانیہ ہر دو کے پڑھنے میں جب احادیث وارد ہیں تو اب ان میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ آہستہ پڑھنا ریا سے خالی ہے، بناوٹ کو اس میں دخل نہیں تو جو شخص اپنے نفس پر بیا اور بناوٹ کا خوف رکھتا ہو اُس کے حق میں آہستہ پڑھنا ہی بہتر ہے۔ اور اگر اس امر کا خوف نہ ہو اور نہ ہی پکار کر پڑھنے سے کسی دوسرے کے پڑھنے میں حائل ہونا ہو تو اس صورت میں پکار کر پڑھنا افضل ہے اس لئے کہ اس میں عمل بہت ہے اور اس کا فائدہ فیکر کو بھی پہنچتا ہے اور ظاہر ہے کہ جو خیر دوسرے کو بھی پہنچے وہ اس سے بہتر ہے جو ایک ہی کو پہنچے اور ایک سبب یہ بھی ہے کہ پکار کر پڑھنا قاری کے دل کو ہوشیار کرتا ہے اور اس کی ہمت کو قرآن میں فکر کرنے کے لئے جمع کر دیتا ہے اور اُس کے کان کو اُس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ نیند کو دفع کر دیتا ہے، پڑھنے کے مزے میں نیداتی پیدا ہو جاتی ہے، تنہا کم ہوتا ہے۔ نیز یہ بھی امید ہوتی ہے کہ کوئی سوتا ہوا

آدمی آواز سن کر جاگ پڑے تو اُس کی شب بیداری کا باعث پڑ رہنے والا ہی ہو گا۔ اور بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی غافل اور بیکار آدمی اُس کو دیکھ کر خوابِ غفلت سے ہوشیار ہوتا اور نچوڑے اُنچہ ازل خیزو بدل ریزو۔ قاری کی کیفیت اُس کے دل میں اثر کر جاتی اور کچھ کرنے کے لئے مستعد ہو جاتا ہے۔ پس اگر قاری کے لئے ان باتوں میں سے کوئی بات میسر آتی ہو تو آباد از بلند پڑنا اچھا ہے اور اگر یہ سب نیتیں جمع ہو جائیں تو اجر بھی متضاعف ہو گا۔ اس لئے کہ نیتوں کی کثرت سے اعمال بھی بڑھتے ہیں اور ان کا ثواب متضاعف ہوتا ہے مثلاً ایک کام میں دس نیتیں ہوں تو ثواب بھی اُس کے دس ہوں گے ہم کہتے ہیں کہ اس بناء پر قرآن کو معصوم میں دیکھ کر پڑنا افضل ہے کیونکہ اس میں آنکھ کا کام اور معصوم کا دیکھنا اور اٹھانا زیادہ ہے اسی وجہ سے اُس کا ثواب زیادہ ہو گا بعضوں نے تو کہا ہے کہ دیکھ کر قرآن پڑنا سات گنا ثواب رکھتا ہے اور یہ صحیح ہے کیونکہ معصوم کا دیکھنا بھی تو عبادت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کثرت سے معصوم میں تلاوت کرتے تھے کہ دو قرآن آپ کے پاس پھٹ گئے تھے اور اکثر وہ آپ کا مہول بھی دیکھ کر تلاوت کرنا تھا اور اس بات کو بُرا سمجھتے تھے کہ کوئی دن ایسا گزرے جس میں معصوم کو نہ دیکھ لیں۔

مقرر کے ایک فقیہ حضرت امام شافعیؒ کے پاس سحر کے وقت آئے اور آپ کے سامنے قرآن مجید کھلا ہوا تھا آپ نے اُس فقیہ سے کہا کہ فقہ نے تم کو قرآن سے روک دیا! مجھ کو دیکھو کہ میں مشاہیر قرآن اپنے سامنے رکھتا ہوں اور صبح تک اُس کو بند نہیں کرتا۔ قرآن مجید کو خوش آوازی سے پڑھنا | حروف کو اتنا نہیں کیچھنا چاہیے کہ الفاظ بدل جائیں اور قرأت کو سنا کر ادا کرنا۔ | یا ان کے انتظام میں اتنی تبری پیدا ہو جائے کہ سنت

یہ ہے کہ ایک غولی اور اچھی نیت کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ نہ ینو القرآن باصواتکم اپنی آوازوں سے قرآن کو آراستہ کرو۔ اور فرمایا اذن اللہ بشیئ ما اذن لہ یتغنی بالقرآن اللہ تعالیٰ نے اور کسی چیز کا اس قدر حکم نہیں دیا۔ جتنا قرآن کی خوش آوازی کے لئے کسی نبی کو حکم دیا ہے اور منسرایا لیس منا من لم یتغن بالقرآن وہ ہم میں سے نہیں جو قرآن کو خوش آوازی سے نہ پڑھے۔ اس حدیث سے بعض نے استغناء اولیٰ ہے۔ اور بعض نے ہجہ کے ساتھ سنوارنا مراد لیا ہے۔ لیکن لغت والوں کے نزدیک پچھلے ہی معنی قرین صواب ہے اور مروی ہے کہ ایک رات آنحضرت صلعم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انتظار فرما رہے تھے وہ دیر کر کے تشریف لائیں تو آپ نے فرمایا کہ دیر کیوں ہوئی۔ انھوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں ایک شخص کی قرأت سنتی تھی کہ اس سے زیادہ خوش آواز ہیں نے نہیں سنا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور تشریف لیجا کر اس شخص کی تلاوت دیر تک سن کر لوٹ آئے اور فرمایا کہ یہ شخص ابوہریرہؓ کا مولہ ہے خدا کا شکر جو کہ جس نے میری امت میں ایسا شخص کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی تلاوت سنی اس وقت آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ رضی اللہ عنہما بھی تھے بہت دیر تک کھڑے سنتے رہے پھر آنحضرت صلعم نے فرمایا من اراد ان یقر القرآن فلیقر علیہ فلیقر علیہ ابن عمرؓ عبد اللہ بن عمرؓ جو شخص چاہے کہ قرآن آہستہ اور اچھی آواز سے پڑھے جیسا کہ وہ اترتا ہے تو اس کو چاہیے کہ ابن مسعودؓ کی قرأت سے پڑھے اور ایک بار آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کا پڑھنا سنا تو فرمایا کہ اس شخص کو حضرت ولولہؓ کی

محن میں سے حصہ منایت ہوا ہے یہ خبر حضرت موسیٰ اشعری نے سنی تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ اگر مجھ کو معلوم ہوتا کہ آپ شن رہے ہیں تو آپ کے لئے زیادہ بنا سزا کر ڈرتا۔

تلاوت کے باطنی ادب

کلام کی عظمت و بزرگی کا جاننا اور خدائے تعالیٰ کے فضل و احسان کو خلق پر سمجھنا کہ اُس نے عرش پر اس کلام کو اس درجہ میں آا دیا کہ خلق کی سمجھ میں آجائے تو اس سے اندازہ کرنا چاہیئے کہ رحمان و رحیم خدا کی مہربانی خلق پر کتنی ہے کہ جو کلام اس کی صفت قدیم اور اس کی ذات کے ساتھ قائم تھا اس کے معانی کو خلق کی سمجھ میں پہنچا دیا اور وہ صفت حروف و اصوات کی شکل میں کس طرح خلق پر ظاہر ہو گئی۔ حالانکہ حروف و اصوات تو بشر کے صفات ہیں لیکن چونکہ بشر کو طاقت نہیں کہ بغیر ذریعہ کے اپنے صفات نفس کے ذریعہ کے بغیر خدائے تعالیٰ کی صفات کو سمجھ سکے۔ اس لئے اس حروف و اصوات کے پیرایہ میں اس کو کر دیا۔ بالغرض کلام الہی کے جلال و جبروت کے بھید حروف کے پیرایہ میں چھپے ہوئے تو عرش بھی اس کلام کے سننے کی تاب نہ لاتا اور نہ زمین کو یارائے سماعت ہوتی بلکہ اس کی عظمت کے دیہہ سے عرش سے فرش تک ریزہ ریزہ ہو جاتے۔ کلام کی عظمت کا سمجھنا ایسی مثالوں کے بغیر ممکن نہیں جو خلق کی فہم کی حد تک ہوں اور اسی نظر سے بعض عارفوں نے اس عظمت کی اس طرح تعبیر کی ہے کہ کلام الہی میں سے لوح محفوظ میں ہر حرف کو وہ قاف سے بڑا ہے اور سب فرشتے اس بات پر متفق ہوں کہ

اس کے ایک حرف کو اٹھائیں تو ان کو اس کی طاقت نہ ہو حضرت اسرافیل علیہ السلام اس لئے
 اٹھاتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ثابت نہ
 رکھتا تو ان کو اس کے کلام کے سننے کی تاب نہ ہوتی جیسا کہ کوہ طور کو ادنیٰ تجلی کے برداشت کی
 تاب نہ ہوئی اور وہ ریزہ ریزہ ہو گیا۔ اس کے باوجود کہ کلام باری کا اعلیٰ درجہ ہے اس کے معانی
 فہم انسان میں پانچویں اور آدمی کو رتبہ ہو کر اس کے سمجھنے میں ثابت رہا۔ اس کے لئے ایک
 حکیم نے نہایت پاکیزہ وجہ بیان کی ہے اور نامثال لکھی ہے وہ یہ ہے کہ اس نے کسی بادشاہ
 سے استدعا کی کہ انبیاء علیہم السلام کی شریعت اختیار کرو۔ بادشاہ نے اس حکیم سے چند باتیں پوچھیں
 ان کا جواب حکیم نے ایسا دیا جو بادشاہ کی سمجھ میں آ سکے۔ پھر بادشاہ نے یہ پوچھا کہ بھلا یہ تو
 بتاؤ جو کلام انبیاء لائے ہیں اس کے متعلق تم دعویٰ کرتے ہو کہ وہ آدمیوں کے کلام نہیں بلکہ
 خدائے تعالیٰ کا کلام ہے۔ پھر اس کلام کو آدمی کیسے سمجھتے ہیں۔ حکیم نے جواب دیا کہ ہم دیکھتے
 ہیں کہ جب آدمی کسی چوپایہ یا پرند کو سمجھنا چاہتے ہیں مثلاً آگے بڑھنا یا پیچھے ہٹنا یا ایت
 پھیرنا وغیرہ اور ان کو معلوم ہے کہ چوپایوں کی سمجھ اس بات سے قاصر ہے کہ چارے کلام
 کو سمجھ لیں تو بالضرور بہائم کے درجہ کی طرف اترنا پڑتا ہے اور اپنے مقصود کو ان کے اندر
 ایسی آوازیں سے پہنچاتے ہیں جو بہائم کی سمجھ کے مناسب ہو جیسے شیخ مسیح کرنا اور
 سیٹی بجانا اور اسی کے قریب دوسری آوازیں جن کو جانور سمجھ سکیں اسی طرح آدمی بھی
 کلام الہی کی ماہیت اور کمال صفات کے سمجھنے سے عاجز ہیں تو انبیاء نے بھی ان
 کے ساتھ وہی طریقہ اختیار کیا جو آدمی چوپایوں کے ساتھ کرتے ہیں یعنی اس کلام پاک کو
 ایسے الفاظ و حروف میں بیان کیا جس سے آدمی اس کی حکمت کو سمجھ جائیں جیسے جانور
 سیٹی وغیرہ سے ان کے مطالبات کو سمجھ لیتے ہیں اور چونکہ حکمت کے معانی ان حروف

واصوات میں پوشیدہ رہتے ہیں۔ اسی جہت سے ان معانی کی شرافت اور عظمت کے سبب کلام کی عظمت کیجائی ہے گویا آواز حکمت کا جسم اور مکان ہے اور حکمت آواز کے لئے روح اور جان کی مصداق ہے۔ پس جیسے آدمیوں کے جسم روح کے ہونے کے باعث مکثم اور معزز ہوتے ہیں۔ اسی طرح کلام کے اصوات و حروف بھی ان حکمتوں کی جہت سے جواں کی اندر ہوتی ہیں مشرف مقصود ہوتے ہیں اور کلام منزلت بلند اور درجہ رفیع رکھتا ہے۔ غلبہ میں زبردست مقت و باطل میں حکم جاری کرنے والا، حاکم عادل اور گواہ پسندیدہ ہے اسی سے امر ہوتا ہے اور بھی نہی کرتا ہے۔ باطل کو یہ تاب نہیں کہ حکمت کے کلام کے سامنے ٹھہرے جیسے سایہ آفتاب کی شعاع کے سامنے نہیں ٹھہرتا۔ اور انسانوں کو یہ طاقت نہیں کہ حکمت کی تہ کے پار ہو سکیں۔ جیسے کہ ان کو یہ مقدور نہیں کہ اپنی آنکھوں کو آفتاب جسم کے پار کر دیں۔ لیکن آفتاب کی روشنی سے ان کو اسی قدر ملتا ہے جس سے ان کی نگاہوں میں نور آجائے۔ اور صرف اپنی حاجات کو پورا کر لیں۔ الغرض کلام کو یہ سمجھنا چاہیے کہ کوئی بادشاہ ہے جس کا چہرہ معلوم نہیں ہوتا اور اس کا حکم جاری ہے یا آفتاب ہے کہ اس کی روشنی ظاہر ہے اور اس کا عنصر پوشیدہ ہے یا ستارے روشن ہیں کہ بعض اوقات جس شخص کو اُس کے حال سے واقفیت نہیں اس کو بھی اس سے راہ مل جاتی ہے۔ حاصل یہ کہ یہ کلام نہایت نفیس غزائوں کی کلید ہے اور یہ وہ ابجیات ہے کہ جس نے اس میں سے پیادہ زندہ جاوید ہوا اور ایسی دوا کہ جس نے اس کو استعمال کیا کبھی بیمار نہوا۔

کلام کرنے والے | قرآن مجید کی تلاوت کرنے سے پہلے کلام کرنے والی کی عظمت کو دل کی عظمت میں حاضر کرنا چاہیے۔ اور یہ سمجھنا چاہیے کہ جو کچھ میں پڑھتا ہوں یہ آدمی کا کلام نہیں بلکہ خدا کا کلام ہے۔

قرآن مجید کی شان میں ہے لا یستہ الا اطلہ قرون اس کو دہی چوتے ہیں جو پاک ہیں مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کی تلاوت سے اسی دقت فائدہ ہوں گے جبکہ خطرات سے اپنے کو محفوظ رکھا جائے جس طرح قرآن کی جلد اور اوراق ظاہر آدمی کے عضو اور جلد سے بغیر طہارت چھو جانے سے محفوظ ہیں اسی طرح اس کے باطن کا بھی حال ہے یعنی جب تک طرح کی ناپاکی سے پاک نہ ہو جائے اور نور تعظیم و توقیر سے روشن نہ ہوئے اس کے معنی بھی اپنی عزت و تہذیب کے سبب اس میں دخل نہیں ہونے اور جس طرح کہ ہر ایک ہاتھ مصحف مبارک کے چھونے کا شایان شان نہیں اسی طرح اُس کے حروف کی تلاوت بھی ہر زبان لیاقت نہیں رکھتی اور نہ ہر دل معافی کے حصول کی قابلیت رکھتا ہے اس کی تعظیم کا یہ حال ہے کہ حضرت عکرمہؓ جب قرآن مجید کو کھولتے تو ہمیشہ ہوش ہو جاتے اور کہتے کہ یہ کلام میرے پروردگار کا ہے۔ یہ کلام میرے رب کا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کلام کی عظمت سے متکلم کی عظمت ہوتی ہے اور اُس دقت تک متکلم کی عظمت دل میں نہیں آتی جب تک کہ اُس کے صفات اُس کی بزرگی اور اُس کے افعال میں فکر نہ کجائے۔ پس جبکہ تباری کے دل میں عرش و کرسی، آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزیں یعنی جن و انسان، اور حیوانات و نباتات و معجزات ہیں اور جانے کہ ان سب کا پیدا کرنے والا، ان پر قدرت رکھنے والا، ان کو روزی دینے والا خدا ہے واحد و بیکتا ہے اور سب کے سب اُس کے قبضہ قدرت میں ہیں اور اُس کے فضل اُس کی رحمت اور اُس کے عذاب میں متردد ہیں اگر وہ انعام کر چکا تو اپنے فضل سے اور اگر عذاب کر چکا تو اپنے عدل سے۔ یہی اسی کا ارشاد ہے کہ یہ لوگ بہت کئے گئے ہیں اور مجھ کو پروا نہیں اور یہ لوگ دوزخ کے واسطے ہیں اور مجھ کو پروا نہیں اور یہ

انتہادرج کی عظمت و بزرگی ہے کہ کسی چیز کی پروا نہ ہو۔ تو ایسی باتوں کے سوچنے سے مستحکم کی عظمت دل میں آتی ہے پھر کلام کی تعظیم اُس میں جاگزیں ہوتی ہے۔

دل کا حاضر ہونا اور بعض مفسرین نے یا یحییٰ خدائے الکتب بقوۃ لے سبکی اٹھالے حدیث نفس کا نہ ہونا کتاب کو زور سے کی تفسیر میں کہا ہے کہ قوت سے مراد کوشش اور اجتہاد ہے اور کتاب کو کوشش سے لینے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی تلاوت کے وقت اُسی کا ہور ہے اور اپنی ہمت کو اُس میں صرف کر دے۔ دوسری طرف تو جو نہ ہونے پائے بعض اکابر سے کسی نے بوجھا کہ جب آپ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں تو اُس وقت اپنے ہی میں کسی چیز کی بات کرتے ہیں یا نہیں انہوں نے فرمایا کہ جبلا قرآن سے زیادہ مجھے کوئی چیز ماری ہے جس کی بات میں اپنے جی میں کروں۔

بعض اکابر سلف کا دستور تھا کہ جب کوئی سورہ پڑھتے اور اُس میں دل حاضر نہ ہوتا تو اُس کو دوبارہ پڑھتے۔ یہ صفت حضور دل کی پہلی صفت یعنی کلام کی تعظیم سے پیدا ہوتی ہے کیونکہ جس کلام کو آدمی پڑھتا ہے اگر اُس کی تعظیم کر لیا تو اُس سے انسیت حاصل ہوگی۔ اور شہادت کا خواہاں ہو گا اور اُس سے عقلمند نہ برتنے کا قریب مجید میں وہی چیزیں ہیں جن میں اُس ہو اور دل لگے مگر شرط یہ ہے کہ پڑھنے والا اسکا اہل ہی ہو۔ یہ ممکن نہیں کہ ایک شخص قرآن مجید کی تلاوت کرے اور پھر اس کی طلب کسی دوسری چیز میں کرے۔ اس لئے کہ قرآن تو خود میر گاہ اور تماشاؤں کا مقام ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جو شخص سیر کے مقامات کا تماشا کرتا ہو گا وہ اُن کے سوا اور چیزوں میں ہرگز فکر نہ کرے گا۔

قرآن مجید میں میدان بھی، مہمات بھی ہیں، باغات بھی ہیں، قصر اور عروسیں، دیبا

گھڑا بھی ہیں۔ قرآن کے میم میدان، بے باغات، اور ح حجرے ہیں اور جن سورتوں کے شروع میں سبحان یا سبح یا یسبح ہے وہ اسی میں داخل ہیں اور اس کی عروسیں ہیں اور ساتوں حمراس کے دیا ہیں۔ بفضل سورتیں گھڑار کے مانند ہیں اور ان کے سوا جو ہیں وہ سب سر میں ہیں۔ پس جس وقت قاری میدانوں میں داخل ہو اور باغات کے میوے توڑے اور محروں میں درائے اور عروسوں کا نثار کرے۔ دیا پہنے۔ گھڑار کی گلگشت کرے اور محل سرا کے درکوں سے لطف اندوز ہو تو یہ باتیں اس کو دوسری طرف متوجہ نہ ہونے دیں گی انھیں میں دوبارہ ہے گا۔ دل علقہ ہر گاہ اور نہ خیال ہیگا۔

قرأت میں | یہ امر حضور دل کے سوا ہے کہ بعض اوقات تلاوت کرنے والا قرآن کے سوا دوسری چیزیں تو فکریہ کر تا مگر صرف اپنی زبان سے قرآن کو سنتا ہو اور سمجھتا نہیں۔ حالانکہ پڑھنے سے مقصود سمجھنا اور تال کرنا ہے اور یہی سبب ہے کہ ٹھہر کر پڑھنا سنو ہے تاکہ اگر ظاہر میں ٹھہر کر پڑھ گیا تو دل میں سوچتا اور سمجھتا جائے گا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جس عبادت میں سمجھ نہ ہو اس میں برکت نہیں ہوتی اور نہ جس تلاوت میں تال ہو اس میں بہتری ہوتی ہے۔ اگر تلاوت کرنے والا دوبارہ پڑھے بغیر تال نہ کر سکے تو لازم ہے کہ دوبارہ پڑھے لیکن امام کے پیچھے ایسا نہ چاہیو کیونکہ اگر یہ ایک آیت کو سوچا رہے گا اور امام دوسری آیت کی تلاوت میں مشغول ہو گا تو مناسب نہیں یہ ایسا ہو گا کہ کوئی شخص کسی کے مکان میں بات کہے اور وہ ایک ہی لفظ پر تعجب کرنے لگ جائے اور باقی گفتگو کو کچھ نہ سمجھے ایسا نہ چاہیے کہ امام تو کرم میں ہو اور یہ اس کی پڑھی ہوئی آیت میں فکر کر رہا ہو بلکہ جو رکھن ادا ہو رہا ہو اسی کو ادا کرے اور جو کچھ پڑھا جا رہا ہو اسی کو سوچے۔

دوسری بات یہ ہے کہ سوچنا ہی داخل دسواں نہ ہو جائے۔ چنانچہ علامہ ابن عبد قیس سے مروی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو نماز میں دسواں ہوا کرتا ہے تو لوگوں نے پوچھا کہ کیا دنیا کے معاملات کا دوسواں ہوتا ہے تو فرمایا کہ دنیا کے دسوسوں سے تو میں اپنے حق میں اس کو بہتر جانتا ہوں کہ نیزے کی جالیں میرے سینے کے پار کر دی جائیں بلکہ وہ صورت یہ ہے کہ میرا دل پروردگار کے سامنے کھڑا ہونے میں لگ جاتا ہے کیا یہاں سے کیسے پھروں اور کس طرح آگے بڑھوں۔

غور کرنے کی بات ہے کہ علامہ ابن عبد قیس نے اس کو بھی دسواں سمجھا۔ امر واقعہ یہی ہے کہ اس اعتبار سے تو یہ دسواں ہے کہ آدمی جس رکن میں ہو اس کو سمجھنے نہیں دیتا۔ شیطان بعض لوگوں پر اس صورت کے سوا قیام نہیں پاتا کہ اُن کو کسی دینی ضرورت میں مشغول کر دے اور اس کی وجہ سے افضل عبادت سے روک دے۔

مروی ہے کہ آنحضرت مسلم نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی اور میں نے اس کو دُہرایا۔ ظاہر ہے کہ اتنی مرتبہ پڑھنے کی اس کے سوا دوسری وجہ نہ ہوگی کہ اُس کے معانی میں فکر فرماتے تھے۔

حضرت ابوذر ثمالی سے روایت ہے کہ آنحضرت مسلم نے ایک رات ہم کو نماز پڑھائی اور تمام رات ایک ہی آیت کو مکرر پڑھتے رہے۔ وہ آیت یہ ہے۔ ان تعذبہم فانہم عبادک وان تغفر لہم فانک انت العلیم الخکیہ۔ اگر تو ان کو عذاب کے تو وہ تیرے بند سے ہیں بلکہ مالکِ معافِ افراد سے تو تو ہی زبردست حکمت والا ہے۔

حضرت تمیم داری نے ایک رات پوری اس آیت میں بسر کر دی۔ اہم حوالہ
اجتمعوا السیات ان تجعلہم کالذین امنوا وعملوا الصالحات ہوام

حیا احمد و محبتہ ساء مایحکمون وہ لوگ جنہوں نے برائیاں کمالی ہیں کیا :-
خیال رکھتے ہیں کہ ہم اُن کے برابر ان کو دیں گے۔ جو یقین لائے اور نیکیاں کائیں۔
ان کا مرنا جینا ایک سال ہوگا۔ بُرے دعوے ہیں جو یہ کہتے ہیں۔

اسی طرح حضرت سعید بن جبیرؓ نے اس آیت کی تلاوت میں شام سے صبح کر دی۔
وامتنا والیوم ایھا الجھمون اور تم الگ ہو جاؤ اسے گنہگارو۔ بعض اکابر فرماتے
ہیں کہ میں ایک سورت شروع کرتا ہوں جس میں بعض ایسی بات کا مشاہدہ کرتا ہوں
کہ صبح تک کھڑا رہتا ہوں اور وہ سورت پوری نہیں ہوتی۔ اور بعض اکابر فرماتے
کہ جب سنی آیتیں میں نہیں سمجھتا اور اُن میں میرا دل نہیں لگتا تو میں اس کے ثواب کا
مستحق اپنے کو نہیں سمجھتا۔

ابو سلیمان دامانیؒ سے منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ میں ایک آیت پڑھتا ہوں
اور چار یا پانچ کامل راتیں اُسی میں بسر ہو جاتی ہیں۔ تاہم اگر میں خود اس میں فکر کرنا نہ
چھوڑ دوں تو دوسری آیت کی نوبت ہی نہ آئے۔

بعض اکابر بر صلیح سے منقول ہے کہ وہ سورہ ہود میں چھ مہینے رہے اسی کو
کر رہے ہو سکتے اور اسی میں فکر کرنے سے فرمت نہ ملی۔

بعض عارف فرماتے ہیں کہ ایک تو میرا ختم ہفتہ وار ہے، ایک ہر ماہ، ایک ہر
سال میں اور ایک وہ ہے کہ تیس برس سے میں نے شروع کیا ہے اور ابھی تک اس
سے فراغت نہیں ہوئی یعنی جس قدر فکر اور تفتیش ہو اُسی قدر مدت ختم کی پڑھتی ہے اور
ان بزرگ کا یہ بھی قول تھا کہ میں نے اپنے نفس کو مزدور کے قائم مقام کر رکھا ہے اسی
لئے میں روزانہ پر بھی کام کرتا ہوں نہتہ وار پر بھی اور ماہانہ سالانہ کے اعتبار سے بھی۔

تفہم | تفہم کا یہ مطلب ہے کہ ہر کثیت سے اس کے لائق مضمون نکالا جائے اس لئے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے افعال اور صفات کا ذکر ہے انبیاء کے احوال ہیں۔ مکتوبین کے واقعات ہیں اور اس امر کا بھی بیان ہے کہ وہ کس طرح ہلاک کر دیئے گئے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے اور امور و لواہی کا ذکر ہے اور محبت و دوزخ کا بیان ہے۔ صفات کی آیتیں یہ ہیں۔ مثلاً ارشاد ہے لیس کمثلہ شیئی وہو الشمیع البصیر اُس جیسا کوئی نہیں وہ ستا اور دیکھتا ہے اور فرمایا الملک القدوس السلام المؤمن المہمین العزیز الجبار المستکبر۔ وہ بادشاہ ہے پاک ذات ہے ہر عیب سے مُبرا ہے۔ امن دیتا ہے پناہ میں لیتا ہے زبردست ہے۔ دباؤ دالا ہے (اور) بڑائی کا مالک ہے۔ پس ان اسماء اور صفات کے معنوں میں تامل کرنا چاہیے تاکہ ان کے اسرار و نفع ہوں۔ کیونکہ ہر ایک کے اندر معانی کا خزانہ دفن ہے۔ جو بجز توفیق یافتہ اشخاص کے اور کسی کو معلوم نہیں ہوتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اس قول میں اسی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ آنحضرت معلّم نے کوئی بات پوشیدہ مجھ کو ایسی نہیں بتائی کہ اُس کو دوسروں سے چھپا رکھا ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اپنی کتاب کی سمجھ عنایت کر دیتا ہے۔ پس اس فہم کی طلب کا حریص ہونا چاہیئے۔ جس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص آدھیں و آخریں کے علم کا ارادہ کرے تو اس کو چارے کے قرآن مجید کے علم کی بحث میں مشغول ہو اور علوم قرآن میں بسے زیادہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اور صفات ہیں۔ اکثر لوگوں کو ان میں سے وہی باتیں معلوم ہوتے ہیں جو ان کے فہم کے لائق ہیں مگر ان کی انتہا کو

پہچنا محال ہے۔

صفات کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں۔ جیسے آسمان و زمین وغیرہ کا پیدا کرنا، مارنا اور جلانا وغیرہ تو کمالات کرنے والے کو چاہیئے کہ ان افعال پر خدا نے تعالیٰ کے اسماء و صفات کا خیال کرے۔ اس لیے کہ فعل اپنے فاعل پر دلالت کیا کرتا ہے اور فعل کی عظمت سے اُس کے فاعل کی عظمت معلوم ہوتی ہے تو لازم ہے کہ فعل ہی میں فاعل کا مشاہدہ کیا جائے۔ صرف فعل کا ہی لحاظ نہ رکھا جائے کیونکہ جو کوئی حق کو پہچانتا ہے وہ اُس کو ہر چیز میں دیکھتا ہے۔ اس لئے کہ ہر چیز اُسی سے ہے۔ اسی کی ذات سے قائم ہے۔ اور اسی کی بلکہ ہے تو واسطے میں ہر اوست کا سامعین ہے۔ اور جو شخص اپنی دیکھی ہوئی چیز میں اُس کو نہیں دیکھتا اُس نے گویا پہچانا بھی نہیں اور جس نے اُس کو پہچان لیا ہے اُس نے یہ بھی جان لیا ہے کہ خدا نے تعالیٰ کے سوا ہر چیز باطل ہے اور ہر اُس کی ذات کے ہر ایک چیز فانی ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ثانی احوال باطل ہو جائے گی بلکہ اگر اُس کے وجود کو اُس کی ذات کے اعتبار سے دیکھیں تو بالفعل باطل ہے۔ ہاں اگر اُس کے وجود کو اس لحاظ سے دیکھیں کہ وہ خدا نے تعالیٰ کے باعث اور اس کی قدرت کے جہت سے موجود ہے۔ تب البتہ اُس کو بتبعیت کے طور پر ثبات ہوگا اور مستقل ہو کر تو صرف باطل ہے۔ یہی چیز ہے جو علم مکاشفہ کا آغاز ہے۔ اور اسی وجہ سے تلاوت کرنے والے کو لازم ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھے افریتہ ما تحزنون۔ افریتہ ما تمنون۔ افریتہ الماء الذی تشربون۔ افریتہ الناس الذی تو مروا۔ بھلا دیکھو جو بڑے ہو بھلا دیکھو جو پانی پھٹکتے ہو بھلا دیکھو جو پانی تم پیتے ہو بھلا دیکھو تو آگ جو سلگاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے

اس ارشاد کے موافق اپنی نعر کو آگ، پانی، کھیتی تاکہ محدود نہ کرے بلکہ ان میں سے ہر ایک کا حامل سوچے۔ مثلاً مٹی میں تال کرے کہ وہ نطفہ ایک ہی اجزا کا تھا پھر اس سے ہڈیاں، گوشت، رگیں اور پٹھے کیسے بنے اور سر، ہاتھ، پاؤں، جگر، دل، وغیرہ مختلف مشکلوں کے اعضاء کس طرح ہو گئے۔ پھر اس میں عمدہ صفات دیکھنے سننے وغیرہ کے کوثر ظاہر ہونے پر نیز بڑے اقدار، تعجب، شہوت، کفر، جہالت انبیائے مرسلین کی تکذیب اور ان سے جہل کرنا کیونکہ پیدا ہونے سے جیسے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اولمیرالاحسان ان خلقناہ من نطفۃ ذواتہ وخصیمہ مبین کیا انسان اس بات کو نہیں دیکھتا کہ ہم نے اس کو ایک ہند پانی سے بنایا پھر وہ جبار نے دان جو گیا۔ قرۃ عجائبات ہیں ان میں تامل کرنا چاہیے۔ درحقیقت اس سے ایک عجب العجائب کی طرف ترقی کر جانا چاہیے۔ یہ وہ صفات ہیں جس سے یہ عجائب صادر ہوتے ہیں غرض یہ ہے کہ فعل کو دیکھ کر فاعل کی طرف تھہر کر رہیں۔ انبیاء کے حملائے مائے ان کے اذیاد دیئے جانے اور ان میں سے بعض کے جان سے مارے جانے کا حال نہ کہ خدا سے تعالیٰ کی بے پرواہی کو سمجھنا چاہیے کہ اُس کو نہ رسولوں کی حاجت ہے نہ ان کی جن کے پاس رسولوں کو بھیجا ہے اگر وہ سب کو ہلاک کر دے جب بھی اُس کی سلطنت پر کچھ اثر نہ ہو گا اسی طرح ان انبیائے مرسلین کی جب امداد کا حال معلوم کرے تو یوں سمجھے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے اور حق کی مدد کیا کرتا ہے اور مکذبین مثلاً ماد و ثمود کا حال جب سُننے کے آگے کیا گذرنا تو اُس سے خدا سے تعالیٰ کی سطوت اور انتقام سے ڈرے اور اپنے نفس کے بارے میں ان حالات سے عبرت اندوز ہو کہ اگر میں غافل رہوں گا اور بے ادبی کروں گا اور اس مہابت چند روزہ پر بھولوں گا تو کیا عجب ہے کہ مجھ پر بھی ایسا ہی

غذاب ہو اور وہی حکم نفاذ پائے اور ایسا ہی اُس وقت بھی سوچنا چاہیے جبکہ جنت اور دوزخ کے اوصاف معلوم ہوں یا ان کے علاوہ قرآن مجید کے اندر کی کوئی اور بات سُنتے ہیں اُسے جن کا بالاستیعاب بیان کرنا ممکن نہیں کیونکہ ولا من طبع ولا یابیس الا فی کتاب مقبین۔ کوئی تراویح خشاک ایسا نہیں جو اس روشن کتاب میں نہ ہو۔ اور ایک جگہ اور ہے۔ قل لو کان البحر ملاً لکلمات سرتی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمات سرتی ولو جعنا مثلاً ملاً داء تو کہہ اگر دریا جھیا ہو کہ میرے رب کی باتیں لکھی جائیں تو بیشک دریا تمام ہو جائیں۔ اور ابھی نہ تمام ہوں میرے رب کی باتیں اور اگر چہ بھی لائیں ہم ویسا ہی دریا اس کی مدد کو۔ اس کی انتہا نہ ہونے کی جہت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اگر میں چاہوں تو احمد کی تفسیر سے ستر آؤں بھر دوں۔

جو شخص قرآن مجید کے مضامین میں ادنیٰ درجہ کی سمجھ بھی نہ رکھتا ہو تو وہ اُن لوگوں میں داخل ہوگا۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ومنہم من یستمع الیٰہا حقاً اذا خرجوا من عندک قالوا للذین ادتوا العلم ماذا قال انفا اولئک الدین طبع اللہ علی قلوبہم اور بعض ان میں سے ہیں جو بڑی طرف کان دیکھتے ہیں یہاں تک کہ جب میرے پاس سے نکلتے ہیں تو اُن سے جنکو علم ملا ہے اُن سے کہتے ہیں کہ کیا کہا تھا اس شخص نے ابھی یہ وہی ہیں جن کے دل پر اللہ نے مہر کر دی ہے اور پھر وہ مبالغہ میں جن کو ہم ذیل میں لکھتے ہیں۔

بعض کا قول ہے کہ آدمی اُس وقت تک مرید نہیں ہوتا جب تک کہ جس چیز کو چاہے قرآن میں نہ پالے اور نقصان کو فائدہ سے میسر نہ کرے اور تمولے کے سبب بند دل سے

جلے پروانہ ہو جائے۔

فہم کے موافق | اکثر لوگ جو قرآن کے سنی سمجھنے سے باز رہے اس کا سبب یہی ہے کہ شیطان سے کیونکہ ہونا | نے ان کے دلوں پر اسباب اور حجاب ایسے ڈال دیئے ہیں کہ قرآن کے حجاب ان کو نہیں سوجھتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لولا ان الشیاطین یحومون علی قلوب بنی الاحمر لکن نظرنا الی الامم لکوت مگر شیاطین اولاد آدم کے دلوں پر گھومتے نہ ہوتے تو آدمی ملکوت کا مشاہدہ کرتے۔ اور سنی قرآن کے ملکوت میں بھی داخل رہیں اور جو چیز جو اس سے غائب ہے اور بغیر نور عقل کے معلوم نہیں ہوتی وہ ملکوت میں سے ہے اور قرآن کے معانی ایسے ہی ہیں۔

سمجھنے کے حجابات چاہیں۔ ہمت اس بات کی طرف مصروف ہو کہ حروف کو مخرج سے نکالنا چاہیے اور اس بات کا متولی ایک شیطان ہے جو قاریوں پر معین ہے اس لئے کہ ان کو معانی قرآن سمجھنے سے اور طرف پھیر دے تو وہ قاریوں کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ حروف کو مکرر یاد کریں۔ اور ان کے خیال میں بسا دیتا ہے کہ یہ حروف اپنے مخرج سے نہیں نکلا تو جس صورت میں قاری کا تامل صرف حروف کے فحاج ہی پر منحصر ہو تو اس کو قرآن کے معانی کہاں واضح ہوں گے۔ اور جو شخص ان کے اس دھوکے میں آتا ہے وہ اس کا بڑا ہی مسخرہ بن جاتا ہے۔

(۲) کسی مذہب کا سنا سنا یا عقلہ ہو گیا ہو اور اس کی تعریف کرتا ہو اور اس کے دل میں اس کی بیچ صرف سنی ہوئی بات کے اتباع سے جم گئی ہو یہ نہیں کہ بعیرت اور شاہ سے دیکھ کر اس کی بیچ کرتا ہو ایسے شخص کا حال یہ ہوتا ہے کہ اپنے اعتقاد کی زنجیر میں مقید رہتا ہے وہ اس کو تلنے نہیں دیتی۔ اس لئے اس کے دل میں

بجز اس کے اعتقاد کے اور چیز غلط نہیں کرتی اُس کی نظر صرف اپنی سنی ہوئی بات پر موقوف ہوتی ہے اور اگر کوئی چمک دور سے نظر آجاتی ہے اور کچھ معنی اس کے اعتقاد کے خلاف ظاہر ہوتے ہیں تو شیطان تقلید اس پر حملہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ بات تیرے دل میں کیسے گزری یہ تو تیرے اکابر کے عقیدوں کے خلاف ہے پس وہ شخص ان سفول کو شیطانی فریب جان کر اُس سے دور ہو کر تلبے اور اس جیسے سامانی سے احتراز کر تلبے۔ اور اسی وجہ سے یہ نیا سنیے تمام فرماتے ہیں کہ مگر عیال ہے اور علم سے ان کا متصور ان معاند کا علم۔ یہ میں برائے نروں صیرت خلیفہ کی محبت سے چلے جانے ہیں۔ یہ مذہب کے متعصبوں کے کلمات۔ دل کے اندر ان کو سمجھا دینے ہیں اور نہ علم حقیقی جس سے کشف اور نور بصیرت ہوتا ہے۔ یہ اس پر اس طرقت حجاب ہو سکتا ہے مہمانت مطلوب۔ نوویں ہے۔ اور یہ تفسیر کوئی بات نہیں ہوتی ہے۔ اور اس صورت میں مانع فہم ہے جیسے کوئی عرض پر سنوئی ہو سنے کے باوجود بجلا کچنا اور ٹھہرنا اعتقاد کرے پس اگر صفت قدوسیت میں اس کے دل میں برابر اچھڑے کہ مثنی باتیں خلق پر ہو سکتی ہیں اور سب ایسی کہ۔ پس اس کے دل میں تقلید اس بات کو جسنے نہ دیکھی اور اگر بالفرض جمع کیا۔ پس۔ اور اس کے سر کشف اور میرا اور یہ تھا ہونا پھل جاوے گا۔ مگر مقلد اس امر کو اپنے دل۔ مستند۔ اپنی تقلید باطل کے جند دو کر دیتا ہے۔

اور بعض اوقات تقلید حق ہوتی ہے اور وہ بھی فہم اور کشف کی مانع ہوتی ہے اس لئے کہ جس میں حق کے اعتقاد کرنے کا خلق کو حکم ہوا ہے اس کے بہت سے مراتب اور درجے ہیں اور اس کا ایک مبداء ظاہری ہوتا ہے اور ایک تہیاطی اور جب طبیعت ظاہر پر

جسم جاتی ہے تو باطن کو تہ تک پہنچنے کی مانع ہو ا کرتی ہے۔

تیسرا حجاب یہ ہے کہ کسی گناہ پر مصر ہو یا کبر کے ساتھ موصوف یا دنیا کی خواہش میں کچھ مبتلا ہو کہ یہ چیزیں دل کی تاریکی اور رنگ کی موجب ہوتی ہیں اور ان کا حال ایسا ہے جیسے آئینہ پر رنگ لگ جاتا ہے اور پھر ٹھیک ٹھیک عکس اُس میں نہیں پڑتا۔ اسی طرح دل پر اگر یہ چیزیں رہتی ہیں تو امر حق کی تجلی اس میں صاف نہیں ہوتی اور یہ حجاب دل کے لیے سب میں بڑا ہے اور اسی سے اکثر لوگ مجبور ہو گئے اور جس قدر کلمہ شہوات کا انہوہ دل پر زیادہ ہوگا اسی قدر معافی قرآن پر زیادہ حجاب اس کی طرف سے ہوگا۔ اور جس قدر دنیا کا توجہ دل پر لگا ہوگا اسی قدر معافی کی تجلی نزدیک آجائیگی۔ اس لئے کہ دانش آئینہ کے ہے اور شہوات مثل رنگ کے اور معافی قرآن مثل ان نور تول کے ہیں جن کا عکس آئینہ میں نہ پڑتا ہے۔ اور دل سے یہ صفت یعنی یعنی شہوات کو دور کرنا ایسا ہے جیسے صیقل گر آئینہ کو جلا کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت معلم نے فرمایا ہے کہ جب میری امت درہم و دینار کو بڑھا دے گی تو میں سے اسلام کی حیثیت جانی رہے گی اور جب اچھی بات کا اہم کرنا اور بری بات سے منع کرنا چھوڑ دے گی تو میری امت کی ہرکت سے محروم رہیں گے۔ حضرت فضیلؓ فرماتے ہیں کہ اس کے یہ سخی ہیں کہ علم قرآن سے محروم رہیں گے۔

آیات یعنی اللہ کی طرف متوجہ ہو ماضوری ہے۔ کیونکہ ارشاد باری ہے۔ تبصرۃً و ذکرۃً لکل عبد منیب۔ اس بندہ کے سمجھانے اور یاد دلانے کے لیے جو رجوع رہتا ہو۔ و ما یتذکر الا من یتذکر و ما یتذکر الا بالادب۔ اور سوچ وہی کرے جو رجوع رہتا ہو۔ وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے۔ توجہ کوئی دنیا کے

دھوکے کو آخرت کی نعمت پر اختیار کرے وہ صاحبانِ عقل سے نہیں ہے اور اسی لئے اُس پر اسرارِ قرآنی منکشف نہیں ہوتے۔

چوتھا حجاب یہ ہے کہ کوئی تفسیرِ نظامِ ہر پڑھ لی ہو اور یہ اعتقاد کر لیا ہو کہ جو کچھ حضرت ابن عباسؓ اور مجاہدؓ نے کلماتِ قرآن کی تفسیر بیان کی ہے وہی درست ہے اُن کے بیان کے سوا کلمات کے اور کچھ معنی نہیں جو ان کے سوا معنی لکھے وہ قرآن کی اپنی عقل سے بیان کرتا ہے جس کی شان میں یہ وارد ہے کہ جو شخص قرآن کی تفسیر انبیاءِ رائے سے کرے وہ اپنا ٹھکانا دوزخ سے تلاش کرے تو یہ بھی اک حجاب ہے۔

خاص کرنا اور اس کی صورت یہ ہے کہ قرآن میں کے ہر خطاب میں فرض کرے کہ میں ہی مقصود ہوں یعنی اگر امر و نہی مَنے تو فرض کرے کہ حکم مجھ کو ہوا ہے اور مجھی کو منع کیا گیا ہے اور اسی طرح اگر وعدہ و وعید مَنے تو ان کو بھی اپنے حق میں فرض کرے اور اگر پہلے لوگوں اور انبیاء کے قہقہے مَنے تو جانے کتنے مقصود نہیں بلکہ ان سے عبرت حاصل کرنی منظور ہے اور یہ غرض ہے کہ ان کے درمیان میں جو کچھ ایسی حاجت کی بات ہو اس کو اختیار کر لینا چاہیے۔ کیونکہ قرآن مجبور کے جتنے قہقہے ہیں ان کے مضامین سے کچھ نہ کچھ فائدہ آنحضرتِ مسلم اور ان کی امت کے حق میں ہے اور اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ مَا تَلَيْتَ بَلَدَ فَوَادِكْ جس سے ثابت کریں تیرا دل تو ولادت کرنے والے کو یہ فرض کر لینا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ جو نبیوں کا حال اور ایذا پر ان کا صبر کرنا اور خدا سے تعالیٰ کی مدد کے انتظار میں دین پر جے رہنا فرمایا ہے اس سے ہمارے دل کا ثابت رکھنا مقصود ہے اور اس فرض کرنے اور تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید خاص آنحضرتِ مسلم ہی کے لئے نہیں اُترا بلکہ وہ تمام عالموں کے لئے شفاء

ہدایت، نور اور رحمت ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے نعمت کتاب کا شکر ادا کرنے کو فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہے۔ واذکروا نعمت اللہ علیکم وما انزل علیکم من الکتاب والحکمة یعظکم بہ۔ اور یاد کرو اللہ کا احسان جو تم پر ہے اور جو آتاری تم پر کتاب اور کام کی باتیں کہ تم کو سمجھا دے۔ اور فرمایا ولقد انزلنا الیکم کتب فیہ ذکرکم اخلا تعقلون ہم نے تمہارے لئے کتاب آتاری ہے، اس میں تمہارا ذکر ہے کیا تم کو بوجہ نہیں اور فرمایا وانزلنا الیک المذکر لتبیین للناس ما انزل الیہم اور تمہارے لئے ہم نے یہ برداشت کہ تو کول لوگوں کی اس جو آراہن کی طرف۔ اور فرمایا کن الذک یضرب اللہ للناس امثالہم یوں بتاتا ہے اللہ لوگوں کو ان کے احوال۔ اور فرمایا واتبعوا احسن ما انزل الیکم من ربکم اسی افضل بات پر چلو جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر آتری۔ اور فرمایا ہذا ابصار للناس ہدئی ورحمة لبقوم یوقنون تمہارے رب کی طرف سے یہ سوجہ اور ہدایت کی باتیں ہیں اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو یقین لائے ہیں اور فرمایا ہذا بیان للناس وھدی وموعظة للمتقیین یہ لوگوں کے واسطے بیان ہے اور ذروالوں کے لئے ہدایت اور نصیحت اور جبکہ ان آیات سے معلوم ہو کہ خطاب سے سب لوگ مقصود ہیں اور قاری بھی انہیں میں سے ہے تو بیشک خطاب میں شریک ہو گا اس لئے اس کو فرض کرنا چاہیے کہ اس خطاب سے میں مقصود ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وادھی الی ہذا القرآن لاخذ من کبر و من بلغ اور یہ قرآن مجید پر اس لئے آتا ہے کہ تم کو اس سے خبردار کروں اور انہیں بھی جس کو یہ پہنچے۔ محمد بن کعب ترمذی کہتے ہیں

کہ جس شخص کو قرآن پہنچا تو گویا خدا نے تعالیٰ نے اس سے کلام کیا اور تلاوت کرنے والا جب اپنے آپ کو مغالب سمجھے تو اپنا عمل صرف سرسری پڑھ لینا مقرر نہ کرے بلکہ اس کو اس طرح پڑھے جیسے غلام اپنے آقا کا فرمان پڑھتا ہے جس میں اس میں لکھا ہو کہ اس کو سوچ سمجھ کر اس کے بموجب کار بند ہوتا ہے اور اسی وجہ سے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ قرآن ہمارے رب کی طرف سے خطوط عہد و پیمان کے ساتھ آیا ہے۔ اس کو مذاہب میں ہم سمجھیں اور تنہائیوں میں ان سے واقفیت حاصل کریں اور طاعت میں ان کی تعمیل کریں اور حضرت مالک بن دینار کجا کرتے کہ اسے قرآن دالہ قرآن نے تمہارے دلوں میں کیا بویا ہے۔ قرآن مومن کے حق میں بہار ہے جیسے زمین کے حق میں مینہ بہا رہوتا ہے۔ قتادہؒ نے فرمایا ہے جس نے قرآن کی مہنشی کی : انا انہی لیکبر اٹھا اگائے میرا گے۔ ہو شفاء و مرحمة للومنین دکلا یزید النظار لمن کلا خاسر او داریان والول کے لئے شفا و رحمت ہے اور گنہگاروں کے نقصان کو بڑھاتا ہے۔

مشاعر ہونا یعنی جس طرح آیتیں مختلف معنایں کی آتی جائیں اس طرح دل میں مختلف آثار پیدا ہوتے جائیں اور جس مضمون کو حُزن اور غم ورجا کا سمجھے اسی حالت کو غیبت سے دل مرصوف ہو جائے۔ اور جبکہ آدمی کی معرفت کامل ہوگی تو اس کے دل پر اکثر غم غالب رہے گا۔ مثلاً ان سر حمة اللہ قریب من المحنین۔ رحمت کے لئے احسان کی شرم لگادی ہے۔ کہ وہ سب کی جامع ہے اسی طرح اگر کوئی قرآن کو اول سے آخر تک پڑھے تو ایسے ہی مضامین کثرت سے پائیگا اور جو شخص اس بات کو سمجھ لیا اس کو مثالیں یہی ہے کہ اس کا حال غم و حزن ہو۔ بعد کے کلامات کو نہایت ہی محنت

تکذات کرے اس کی صفت سے موصوف ہو جائے مثلاً آیت وحید پر اور جہاں کہ غفر
کو شرائط سے وابستہ کیا ہے وہاں غفر سے اتنا گھٹے کہ مر جائے گا۔ اور دست
رحمت اور وعدہ رحمت پر اتنا خوش ہو کہ اڑ جائے۔ اور خدائے تعالیٰ کے صفات
اور اسما کے ذکر کے وقت اپنی گردن اس کے جلال کے سامنے خضوع کرے اور اس کی
عظمت کو معلوم کر۔ فی کی جہت سے جھکا دے اور جب کافروں کا ذکر آئے اور ان کے
دور قیام پر ہے جو اللہ پر خیال ہے مثلاً اذن کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ صاحب اوراد ہے۔ اور
بنی رکھتا ہے تو اپنی آواز پست کر دے اور ان کی گفتگو کی قیامت سے دل میں شرمندہ
ہو کر شمسہ اور جنت کی سنت کے وقت باطن میں اس کا شوق ابھرتے اور دوزخ کا
حال فرور ہونے پر خوف سکے اس کا بدن تھرا اٹھے اور جبکہ آنحضرت صلعم نے
حضرت ابن مسعود کو اسناد فرمائی کہ قرآن مجید کو نہایت سیرت ابن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے
مورے شاہ رخ کی جب اس آیت پڑھ لی ملکیت اذاجئنا من کل امۃ بشہید
وہ جتنا باب علی اور کون کون سے مکتبی تھے کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت میں سے
لوگوں کے احوال کو نہایت دور بلائیں گے تجھ کو ان لوگوں پر احوال بتانے والا۔
تو دیکھا کہ آنحضرت صلعم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں آپ نے فرمایا کہ اب میں کرواؤ
یہ اس لئے فرمایا کہ مالک شاہد ہیں کہ وہ اسے اسکل متفرق ہوا اور خوف کرنے والوں
میں بعض اس طرح کے تھے کہ عید کی آیت پڑھیں ہو کر گر جاتے تھے اور بعض ایسے
بھی گزرے ہیں کہ آیتوں کے سننے میں انتقال کر گئے ہیں۔

بہر حال اس طرح کے احوال سے تکذات کرنے والا صرف نقال نہیں رہتا مثلاً
جب کہے انی اخاف ان حصیت ساری عن اب یومر عظیم یعنی اگر میں

اپنے رب کا حکم نہ مانوں تو ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اور دل میں
 خوف نہ ہو تو یہ پڑھنا صرف کلام کا نقل کرنا ہوا اور جب پڑھے۔ علیک توکلنا والیک
 انبنا والیاب المصیص۔ اے رب ہمارے ہم نے تجھ پر بھروسہ کیا۔ اور تیری طرف رجوع
 ہوئے اور تیری طرف ہے پھر نہ اور توکل و امانیت کی حالت نہ ہو تو یہ کہنا زبانی حکایت کا
 اور جب پڑھے ولنصبرن عجلے ما اذ یقونا یعنی ہم صبر کریں گے ایذا پر جو تم حکم دیتے ہو
 تو چاہئے کہ اس کا حال صبر خواہ عزیمت ہو تاکہ اس آیت کے پڑھنے کی کیفیت و حالات
 پائے اور اگر ان صفات سے معصوم نہ ہوگا اور ان حالات میں اس کا دل بدلتا نہ رہیگا
 تو تلاوت سے اس کو صبر زبانی کی حرکت کا فائدہ ہوگا اور اپنے نفس کو لعنت کر لیگا
 الا لعنة الله على الظالمین یعنی سن لو کہ بے ایمانوں پر اللہ کی لعنت ہے اور
 کس مقتدا عند الله ان تقولوا اما لا تفعلون یعنی اس بات سے اللہ بہت ہزار
 ہے کہ وہ بات کہو جو نہ کرو۔ اور وہم فی غفلة معصون یعنی ارادہ بے خبر
 ٹٹاتے ہیں۔ اور فاعرض امن تولے عی ذکرنا ومن یزید الحیلوة الدنیا
 یعنی سو تو دجھان نہ کر ان پر جو ہماری یاد سے نہ موڑے۔ اور کچھ نہ چاہے مگر دنیا کی
 زندگی۔ اور ومن یزید فاولئک هم الظالمون یعنی اور جو توبہ نہ کریں ہی
 بے انصاف ہیں۔ اور سوائے ان کے اور اسی طرح کی آیتوں کے پڑھنے سے اپنے
 آپ کو طعن کر لیگا۔ اور اس آیت کا مصداق بنے گا۔ ومنھم امیون
 لا یعملون الکلب الا امانی یعنی ان میں ایک بڑے بے پڑھے ہیں جو خبر
 نہیں رکھتے کتاب کی مگر باندھ لیں اپنی آرزوئیں۔ یعنی صرف تلاوت ہی جانتے ہیں
 اور اس آیت کے منوں میں داخل ہوگا۔ وکاین من ایة فی السموات والارض

میں دن علیہا وہم علیہا معر ضون۔ یعنی اور انسان وزمین میں بہتری
 نشانیاں ہیں۔ جن سے گزرتے ہیں اور وہ ان پر دھیان نہیں کرتے۔ اس لئے کہ
 ان علامتوں کا بیان اچھی طرح قرآن مجید میں ہے اور جب پڑھنے والا ان سے گزر جائے
 اور متاثر نہ ہو تو ان سے رد گرداں ہو گا۔ اسی وجہ سے کسی نے کہا ہے کہ جو شخص اخلاق
 قرآنی سے متصف نہیں ہوتا وہ جس وقت کلام اللہ شریف پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو
 پکار کرتا ہے کہ مجھ کو میرے کلام سے کیا علامت۔ تو تو مجھ سے رد گرداں ہے اگر تو میری
 طرف رجوع نہیں کرتا تو میرے کلام کو سنت پڑھ۔ اور گنہگار آدمی جو قرآن کو مکرر پڑھتا ہے
 اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص بادشاہی پروردانہ کو دن بھر میں کئی مرتبہ پڑھ لیا کرے۔
 اداس میں حکم ہے کہ ہمارے ملک کو آباد کرو مگر وہ اس کے اجاڑنے میں مشغول ہوا اور اس
 کے پروردانہ کو صرف پڑھ لینے پر اکتفا کرے۔ اور تعمیل الٹی کرے۔ پس اگر وہ پروردانہ شہنشاہ
 اور حکم کے خلاف کرتا تو اس میں بادشاہی پروردانہ کی حقارت اور غضب سلطانی کا استحقاق
 غالباً کم ہوتا اور اس صورت میں تو ظاہر ہے کہ اس کی حرکت نہایت نادیبا ہے اور اس
 وجہ سے یوسف بن سبا نے فرمایا ہے کہ میں قرآن کے پڑھنے کا قصد کرتا ہوں مگر جب
 اس کے مضامین یاد کرتا ہوں۔ تو غضب الہی سے ڈرتا ہوں اور قرآن کی تلاوت کے
 چھوڑ کر تسبیح اور استغفار پڑھنے لگتا ہوں۔ اور جو شخص کہ قرآن پڑھ کر اپنے سے اعراض کرتا
 ہے وہ اس آیت کے مطابق ہے۔ فنبذناہ و امرنا عظمیٰ ہم و اشتد واجبہ
 ثمنا قليلا فجلس ما يشترون یعنی پھر میں پست ڈال دیا اس کو اور خرید کیا اس
 کے بدلے مول غمزدہ کیا بری خرید کرتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ
 قرآن کو اس وقت تک پڑھو کہ تعدیے دل باطن میں اور جلدیں نرم ہوں اور

جب یہ حال رہے تو پڑھنا بوقت کرو۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے پاس سے
 اٹھ کھڑے ہو۔ ارشاد باری ہے الذین اذا ذکر الله وجلت قلوبهم واذا ملیت علیہم
 ایاہ نہ اذتھم ایماناً وھلےس بہم یتوکلون یعنی ایسے لوگ کہ جب نام آجائے
 اللہ کا ڈر جائیں ان کے دل اور جب ان پر اس کا کلام پڑھا جائے تو ان کے ایمان میں
 زیادتی ہو جائے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں
 قرآن کا خوش آواز وہ ہے کہ جب اس کو پڑھتے ہوئے سنو تو جان لو کہ خدا تعالیٰ اسے ڈرا
 ہے اور یہی فرمایا کہ قرآن کسی کے منہ سے اپنا نہیں معلوم ہوتا۔ جیسا اس شخص کے منہ سے جو
 خدا سے تعالیٰ سے ڈرتا ہے پس قرآن اسی غرض سے پڑھا کرتے ہیں کہ دل پر یا حوال
 کچھ آویں اور اس کے بموجب عمل کیا جاوے ورنہ صرف الفاظ پر زبان ہلانے میں کیا
 محنت ہے اور اسی واسطے بعض قاری کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد کو قرآن سنایا
 پھر میں دوبارہ ان کی خدمت میں گیا کہ دوبارہ سنائوں تو انھوں نے مجھ کو جھڑک دیا
 اور فرمایا کہ میرے سامنے پڑھنے کو تو نے عمل ٹھہرایا ہے۔ جاندا کہ اسے سامنے پڑھ اور
 دیکھ کہ تمہ کو کیا حکم کرتا ہے اور کیا سمجھتا ہے۔

اسی سبب سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا شغل احوال اور اعمال میں ہوتا تھا چنانچہ
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف جب ہوئی ہے اُس وقت میں ہزار صحابہ کرام
 آپ نے چھوڑے مگر ان میں سے پورا قرآن مرت چھ شخصوں نے یاد کیا تھا اور ان چھ میں سے
 بھی دو میں اختلاف ہے۔

اکثر صحابہ ایک یا دو بھرت یاد کیا کرتے تھے مگر اس پر عمل کرتے تھے جو شخص
 کہ سمدہ بقرہ اور انعام یاد کر لیتا تھا وہ ان میں مالم ہوتا تھا اور جب ایک شخص قرآن سیکھنے

گیا اور اس آیت پر پہنچا۔ فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره یعنی سو جس نے ذرہ بھر بھلائی کی وہ دیکھ لیگا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی (وہ بھی) دیکھ لیگا۔ تو کہا کہ مجھے یہ کافی ہے اور چلا گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ شخص اس حال میں پھر کہ قید ہے دراصل محبوب اور محبوب وہی حالت ہے جو اللہ تعالیٰ ایماندار کے دل پر آیت سمجھنے کے بعد مرحمت فرماتا ہے۔

صرف زبان کی حرکت مفید نہیں جو شخص زبان سے تلاوت کرے اور عمل سے روگرداں رہے وہ اس بات کا سزاوار ہے کہ اس آیت کا مصداق ہو۔ من اعترف عن ذکری قال له معیشتہ ضنکاو خسرہ یوم القیمۃ اعمی قال سرت لیمرحشہ تنی اعمی وقد گنت بصیر۱۰ قال لک لک لک ایا تانا فسبحھا و لک لک الیوم و تنسی۔ یعنی جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو اُس کو تنگی کی گدازان ملتی ہے اور ہم اُس کو قیامت کے دن اندھا لائیں گے وہ کہے گا کہ اے رب کیوں اٹھایا تو نے مجھ کو اندھا اور تنہا میں دیکھتا۔ فرمایا کیا نہیں پہنچی تھیں تجھے کہ میری آیتیں پھرتو نے کہا کہ بھلا دیا اسی طرح آج ہم تجھ کو بھلا دیں گے چھاری آیتوں کو تو نے ویسا ہی چھوڑ دیا۔ ان میں تال یہ کیا اور نہ ان کی کچھ پردائی۔ کیونکہ جو شخص کسی کام میں قصور کرتا ہے اس کو کہا کہتے ہیں کہ وہ اُس کو بھول گیا۔

تلاوت صحیح یہ ہے کہ اُس میں زبان۔ دل۔ اور عقل شریک ہوں۔ زبان کا کام حرف کو صحیح کرنا، شہر کرنا اور کڑھنا ہے۔ عقل کا کام سنی کا بیان کرنا اور دل کا کام حکم ماننے اور جعفر کا قبول کرنے سے متاثر ہونا ہے تو گویا زبان و اخطا ہے اور عقل مترجم اور دل نصیحت قبول کرنے والا۔

تلاوت میں ترقی | تلاوت میں ترقی یہ ہے کہ قرآن کو اللہ تعالیٰ سے سننے نہ اپنے سے
 کیونکہ پڑھنے کے تین درجے ہیں جب میں ادنیٰ یہ ہے کہ بندہ اپنے کو فرض کرے کہ
 خدا سے تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہوا تلاوت کر رہا ہے۔ اور وہ میری طرف دیکھتا ہے اور میرے
 پڑھنے کو سنتا ہے تو اس صورت میں اس کی حالت سوال اور تمکین وانکسار کی ہوگی۔ اور
 عاجزی پائی جائے گی۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ اپنے دل سے مشاہدہ کرے کہ گویا اللہ تعالیٰ اس کو دیکھتا ہے
 اور اپنے الطاف سے اس کو خطاب کرتا ہے اور اپنے انعام احسان سے اس سے اپنا
 عید کہتا ہے۔ ایسی صورت میں تلاوت کرنے والے کا مقام جبارِ قیلم مستنا اور مجتہد ہوگا۔
 تیسرا درجہ یہ ہے کہ کلام میں مستحکم ہو کر دیکھے اور کلمات میں صفات پر نظر کرے یعنی
 نہ اپنے نفس کو دیکھے اور نہ اپنی قرأت پر کافہ کرے اور نہ اپنے منہ علیہ جوئے کے اعتبار
 سے اپنا اور پر انعام کے متعلق ہونے کا دھیان کرے بلکہ اپنی ہمت اور فکر کو کلام کرنے والے
 پر منحصر اور ہوتون کرے اس طرح کہ گویا مستحکم کے مشاہدہ میں غم کی طرف سے کچھ خبر نہیں
 یہ درجہ مقررین کا ہے اور اس سے پیشتر کے دو درجے اصحاب الیمین کے ہیں۔ اور جو قرأت
 ان تینوں درجوں کے سوا ہو وہ غافل کا درجہ ہے۔

حضرت امام جعفر الصادق علیہ السلام نے درجہ سوم کو اس طرح ارشاد فرمایا کہ بخدا تعالیٰ
 اپنے کلام میں اپنی مخلوق کے لئے تجلی فرمائی۔ مگر لوگ اس کو نہیں دیکھتے۔ ایک بار آپؑ
 نماز میں ایسی حالت طاری ہوئی کہ بیہوش ہو کر گر پڑے جب آپ کو افادہ ہوا تو کسی نے اس
 حالت کی کیفیت دریافت کی۔ آپؑ نے فرمایا کہ میں آیت کو بار بار اسنے دل پر پڑھ رہا تھا یہاں
 تک کہ اس کو میں نے مستحکم سے شنایا پس اس کی قدرت کے معائنہ کے لئے میرا جسم

ظہر رکھا۔ یعنی اس درجہ کی تلاوت کی حلاوت اور لذت کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ یہی سبب ہے کہ بعض حکماء نے کہا ہے کہ میں قرآن پڑھ کر تھکا کر اُس میں حلاوت نہ پاتا تھا۔ یہاں تک کہ میں نے اس طرح پڑھا کہ گویا اُس کو آنحضرت معلّم سے سنتا ہوں۔ یہ اپنے اصحاب کو سنا رہے ہیں۔ پھر ایک درجہ اور اوپر بڑھا۔ اور اس طرح پڑھا کہ یا حضرت جبریل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تعلیم کرتے ہیں اور میں سن رہا ہوں پھر اللہ تعالیٰ نے ایک اور مرتبہ عنایت فرمایا۔ کہ اب میں اُس کو خود اُسی سے سنتا ہوں اور مجھ کو دُعا اور حلاوت نصیب ہے کہ مجھ سے صبر نہیں ہو سکتا۔

حضرت عثمان اور حدیث فرماتے ہیں کہ اگر دل پاک ہو تو قرآن کی قرات کبھی سیری نہ جو یہ بالکل صحیح ہے کہ دل کی لمہارت کی وجہ سے کلام میں مستحکم کے مشاہدہ کی طرف ترقی ہوتی ہے۔ اور اگر آدمی مستحکم ہی کا شاہدہ کرنے والا ہو اور اُس کے سوا پیر فخر نہ ڈالے تو ان ارشادات کی یعنی تمہیں کرنے والا ہوگا۔ فسرّوا الی اللہ۔ یعنی سوچا کہ اللہ کی طرف۔ اور ولا تجعلوا مع اللہ الها الاخر یعنی اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہراؤ۔ میں یہی درجہ ہے۔

اپنی قوت و طاقت سے انقطاع | یعنی اپنے نفس پر بحیثیت معاذ اور تزکیہ التفات کرنے سے قطع نظر رکھے۔ مثلاً جب میں کے لئے وعدہ اور ترغیب کی آیتیں آتی ہیں تو اُس وقت اپنے آپ کو اُن میں نہ سمجھے۔ بلکہ اہل یقین اور معذیقین کے لئے ان ماسج کا خیال کرے اور اس بات کا شائق ہو کہ اللہ تعالیٰ انہیں پاک نفوس میں مجھ کو بھی شامل کرے اور جب خدا اور خشکی کی آیت گناہگاروں اور نصیر المومنین کی برائی پڑے تو اُن میں اپنے نفس کا مشاہدہ کرے اور یہ بھی فرض کرے کہ یہ خطاب

میرے ہی نفس کو ہے تاکہ خوف پیدا ہو۔ یہی سبب ہے کہ حضرت ابن مضر فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ میں تجھ سے اپنے ظلم و کفر سے مغفرت چاہتا ہوں۔ توگوں نے پوچھا ظلم تو معلوم ہے لیکن کفر سے آپ کی مغفرت چاہتے ہیں۔ کہ اپنے ذرا ایک اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَاْفٌ اَذٰی بَشَابَعٍ اِنْفَاثٍ اَشْكُرُ بِهٖ۔ مطلب یہ تھا کہ اسی کفر سے مغفرت چاہتا ہوں جس کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ یوسف بن اسحاق سے کسی نے پوچھا کہ جب تم قرآن پڑھتے ہو تو کیا دعا مانگتے ہو۔ فرمایا کہ دعا کیا مانگوں اپنی تفسیر کی مغفرت بشارت چاہتا ہوں۔ میں جس صورت میں کہ قرأت میں اپنے نفس کی تفسیر کی صورت میں دیکھے گا تو یہ دیکھنا اس کے قرب کا موجب ہوگا۔ اس لئے کہ بعض قرب میں دوسری کا مقابلہ کرتا ہے اس کے لئے خوف رحمت ہوتا ہے اور یہ خوف اس کو قرب کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ جراول درجہ سے اعلیٰ ہو۔ اور جو شخص دوری میں قرب کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس کو خوف سے امن دیا جاتا ہے جو آخر کار اس کو اوپر کے درجہ تک پہنچا دیتا ہے جو دوری میں اول درجہ سے نیچے ہوتا ہے اور جس صورت میں اپنے نفس کی بخشش بخشم مضاد دیکھے گا تو خود اس کے نفس ہی کا جواب اس میں اور اسرار میں حاصل ہو جاتا ہے اور پھر کچھ نہیں دیکھتا۔ لیکن جس صورت میں کہ اپنے نفس کی طرف التفات چھوڑ دیتا ہے اور بجز خدا سے تعالیٰ کے قرأت میں اور کوئی چیز مشاہدہ نہیں کرتا تب البتہ اس کو اسرار عالم ملکوت کے واضح ہوتے ہیں۔ بحاشات کشف والے کے احوال کے بموجب خاص ہو جایا کرتے ہیں مثلاً جب آیات دعا پڑھتا ہے اور اس کے حلال پر ثابت غالب ہوتی ہے تو اس کو جنت کی صورت منکشف ہوتی ہے اور اس کے اس طرح مشاہدہ کرتا ہے گویا آنکھ سے ظاہر میں دیکھ رہا ہے اور اگر اس پر خوف غالب ہوتا ہے

قواس پر دوزخ منکشف ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کے غلاب طرح طرح کے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں کلام نرم اور لطیف اور سخت اور درشت اور ملاوڑ جا اور پُر از خوف و طبع کے ہیں کیونکہ جیسے اوصاف منکظم کے ہیں ویسے ہی کلام میں مضامین ہیں۔ اور اس کے اوصاف میں سے رحمت، لطف، انتقام اور گرفت وغیرہ ہیں۔ پس یہی صفات کلمات میں بھی پائے جاتے ہیں تو جس طرح کے کلمات اور صفات کا مشاہدہ ہو گا اس طرح دل کا حال بھی بدلے گا اور اسی کے موافق ایسی بات کے منکشف ہونے کے لائق ہو جائیگا۔ جو اس کے حال کے مناسب ہو کیونکہ یہ تعامل ہے کہ سننے والے کا حال لیک ہی رہے۔ اور کلام بدلتا جاوے اس لیے کلام میں منکظم کے صفات کا اثر موجود ہے کوئی جز اس کا راضی کا کلام ہے اور کوئی غضب والے کا اور کوئی انعام دینے والے کا اور کوئی انتقام لینے والے کا، کبھی متکبر کا جو پروا نہیں کرتا اور بعض شفقت والے مہربان کا جو بیکار نہیں چھوڑتا ہے تو ضرور ہے کہ سننے والے کا حال بھی بدلے۔

تفسیر باطنی

فایده تم یہ کہ جو کہ تم نے سابق میں اسرار قرآن کے سمجھنے اور وہ معانی قرآن جو صافی دلیل پر واضح ہوئے ہیں۔ ان کے باب میں بڑی تاکید کی ہے۔ یہ بات کیسے مستحب ہو سکتی ہے۔ حالانکہ آنحضرت مسلم نے فرمایا ہے من خسر القرآن ان یروایہ فلتیو أمقعلہ من التماس اور اسی وجہ سے جو لوگ ظاہر تفسیر کو جانتے ہیں اس باب میں وہ اہل تعویض پر تشبیہ کرتے ہیں کہ جن کلمات کی تاویل حضرت

قباس وغیرہ مفسرین سے منقول نہیں وہ لوگ اپنی طرف سے تفسیروں کے
 بیان کرتے ہیں۔ بلکہ ملاوہ تشبیح کے اس تاویل کو کفر کہتے ہیں۔ پس اگر اہل تفسیر کا
 معجم ہو تو قرآن کے سمجھنے سے بجز اس کے کیا غرض ہے کہ اس کی تفسیر کو یاد
 دینا چاہیے اور اگر ان کا قول صحیح نہیں تو حدیث مذکورہ بالا کے کیا معنی ہیں تو کیا
 سب یہ ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کے معنی وہی ہیں جس کا بیان ظاہر
 یہ کرتی ہے تو وہ لوگ اپنے نفس کی انتہا سے خبر دیتے ہیں۔ ان کا حال بیان
 نے میں درست کہتے ہیں مگر ان لوگوں کو اپنے ہی درجہ یا مقام پر لائے کا حکم کرنے پر
 عمل کرتے ہیں کیونکہ حدیث اور آثار سے یہ ثابت ہے کہ اہل فہم کو قرآن کی معانی میں
 باقی ہے۔ چنانچہ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ خدائے تعالیٰ اپنی کتاب کی سمجھ اپنے
 پس بندے کو چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے ظاہر ہے کہ اگر قرآن کے معنی اسوائے
 زبڈ منقول کے اور کچھ نہیں ہے تو پھر اس سمجھ سے کیا مراد ہے اور آنحضرت معلوم
 نے فرمایا ہے کہ قرآن کے لئے ایک ظاہر ہے ایک باطن ایک حد ہے ایک مطلع
 یہ روایت حضرت ابن مسعودؓ سے بھی موقوف آمدی ہے۔ یہ وہ محابلی ہیں جو تفسیر
 کے عاملوں میں سے ہیں۔ پس ظاہر اور باطن اور حد و مطلع کے کیا معنی ہیں نیز
 حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر میں چاہوں تو احمد کی تفسیر سے ستر اونٹ بھر دوں
 آخر اس سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ احمد کی ظاہر تفسیر تو بہت مختصری ہے حضرت ابوہریرہؓ
 نے فرمایا ہے کہ قرآن کی جب تک کئی صورتیں نہیں کر لیتا آدمی فقیہ نہیں ہوتا یعنی
 علماء کا قول ہے کہ ہر آیت کے لئے ساٹھ ہزار فہم یعنی معنی ہیں اور جس قدر سمجھنے
 سے باقی رہ گئے ہیں وہ اور بھی زیادہ ہیں اور کسی دوسرے کا قول ہے کہ قرآن

شجر ہزار دو سو علم پر حاوی ہے۔ اس لئے کہ ہر کلمہ کے لئے ایک علم ہے اور چونکہ ہر
 ایک کے لئے ظاہر اور باطن اور عدد و مطلع ہے تو چھ گھنٹے ہو گئے۔ اور آنحضرت صلی
 علیہ وسلم اللہ الرحمن الرحیم کو بنیں بارگاہ پر ہا تو اس کے سببی ہی سمجھنے کے لئے
 پڑا۔ ورنہ ترجمہ اور تفسیر ظاہری ہے۔ بحکام کی کیا حاجت تھی۔ اور حضرت ابن مسعود رضی
 کا فرما تا کہ جو کوئی اگلوں پچھلوں کا علم چاہے وہ علم قرآن کی بحث کرے یہ بھی صرف
 تفسیر سے حاصل نہیں ہوتا۔ حاصل یہ ہے کہ خدا کے لئے قائلے کے افعال و صفات
 میں تمام علوم داخل ہیں اور قرآن میں اس کی ذات اور افعال و صفات کا ہی
 بیان ہے۔ پھر ان علوم کی انتہا کا کیا ٹھکانا۔ قرآن مجید میں ان سب علوم کی فکر
 محلاً اشارہ کر دیا ہے۔ اب ان کی تفسیر میں غور کرنا قرآن مجید کے سمجھنے پر منحصر ہے صرف
 تفسیر ظاہری سے تفصیلات کا استاد ہرگز معلوم نہیں ہو سکتا بلکہ وہ باتیں جو ناظرین پر
 مشکل ٹپتی ہیں یا جن نظریات و مفقولات میں لوگوں کا اعتقاد ہے قرآن مجید میں ان
 سب کی طرف رموز و اشارات ہیں جن کو مجزا الہم کے اور کوئی معلوم نہیں کر سکتا۔ اس قدر
 میں ظاہر الفاظ کا ترجمہ اور تفسیر ان امور کے لئے مس طرح کافی ہوں گی اسی لئے آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اقرأ القرآن والقسموا حضائمه بین القرآن کو
 پڑھو اور اس کے غرائب کو ڈھونڈو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو حدیث منقول ہے
 اس میں اشارہ ہے کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے محمد کو نبی برحق کر کے بھیجا ہے کہ میری
 امت اپنے محل و دین و جماعت کو چھوڑ کر بہتر کرتے ہو جائے گی۔ یہ نکل فرمے گمراہ اور
 بہکانے والے ہوں گے اور دوزخ کی طرف بلائیں گے جب یہ صورت پیش ہو تو اپنے آپ پر
 قرآن مجید کو لازم پکڑنا کہ اس میں جو قسم سے پہلے ہو گیا ہے اس کا حال یہی ہے اور جو

اس کے بعد جو اس نے یہی کہہ دیا کہ میں نے یہی کہہ دیا ہے۔
 جسے جو شخص اس کے خلاف کر چکا خدا سے تعالیٰ اس کو توبہ دیکھا۔ بعد جو شخص اس
 کے سوا دوسری چیز میں علم کا طالب ہو گا اس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دیکھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی
 جلی متین اولیاء کا دوزخ میں اور شفا سے مفید ہے جس نے اس کو بچھا دیا وہ محفوظ رہا۔
 جو اس کا تابع ہو اس کو نجات ملی۔ نہ وہ ڈیڑھ ملکہ کی دستگیری کی ضرورت ہو اور نہ مال ہو
 کہ راستے کی حاجت پڑے اس کے عجائب بھی منقطع نہیں ہونے اور نہ زیادہ پڑنے
 سے پرانا ہوتا ہے۔ حضرت مدنیؒ کی حدیث میں ہے کہ جب ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 نے اپنی دولت کے بعد اپنی امت کے اختلاف اور متفرق ہونے کی خبر دی تو وہ فرماتے ہیں
 کہ میں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم اگر میں اس وقت کو پاؤں تو آپ
 مجھ کو کیا حکم فرماتے ہیں آپ نے فرمایا کہ کلام اللہ کو سیکھنا اور اس کے بموجب عمل کرنا کہ
 نجات کی صورت وہی ہے میں نے تین باہمی سوال کیا اور ہر بار آپ نے یہی فرمایا۔ کہ
 کتاب اللہ کو سیکھنا اور جو کچھ ہے اس پر عمل کرنا نجات اسی میں ہے اور حضرت علیؑ نے
 فرمایا کہ جو شخص قرآن کو سمجھ جاتا ہے وہ جملہ علوم کو بیان کر دیتا ہے اس سے آپ نے
 اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ قرآن مجید تمام علوم علمی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور حضرت
 ابن عباسؓ نے ومن نزلنا حکمہ فقد اوتیٰ خیرا کثیرا یعنی جس کو
 سمجھ لی اس کو بہت خیر ملی کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ حکمت ہے مراد قرآن کی سمجھ ہے
 ارشاد باری ہے ففہمناہا سلیمان وکلّا ۱۱ ایتنا حکما وعلما ۱۲ یعنی ہم سمجھ لیا
 ہم نے وہ فیصلہ سلیمان کو اور ہم نے دونوں کو حکم اور سمجھ دی تھی۔ اس آیت میں جو خیر
 حضرت داؤد اور سلیمان علیہم السلام دونوں کو عنایت کی اس کا نام علم و حکم رکھا جس بات کو

حاجس صورت بیان ہے جو اس کا نام ہم فرمادے۔ اور اس کو علم اور علم پر مقدم کیا۔ عرض
ان امر سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے معنی سمجھنے میں بہت بڑی گنجائش ہے۔ اور ظاہر
تفسیر قرآن جو منقول ہے وہ اس کے معانی معلوم کرنے کی انتہا نہیں ہے کہ جس
سے آگے نہ بڑھ سکیں۔

آنحضرت معلوم ہے جو من فیہ القرآن براہیم فلیتبرأ مقعداً من النار
فرمایا۔ یعنی اپنی رائے سے تفسیر بیان کرنے کو منع کیا۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
نے فرمایا کہ اگر قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہوں تو کون سی زمین مجھے اٹھائے اور
کون سا آسمان مجھے چھپائے۔ اس کے علاوہ اور احادیث و آثار جو تفسیر القرآن کے
مانعت میں وارد ہیں وہ در حال سے خالی نہیں یا یہ غرض ہو کہ تفسیر کے باب میں نقل
اور سننے پر کفایت کرنی چاہیے۔ استنباط اور اپنی عقل سے جدا گانہ معنی نہ سمجھنا چاہیے یا
اس کے سوا کوئی اور غرض ہو۔ یہ غرض کہ قرآن میں کتنی سخی ہوئی باتوں کے سوا اور کچھ نہیں
چند دہہ سے قطعاً باطل ہے اول وجہ یہ ہے کہ سننے میں یہ شرط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے سنا ہوا ہو یا آپ کی طرف منسوب ہو حالانکہ یہ امر قرآن کے متحرک ہے ہی حقہ میں پایا جاتا
ہے اس سے یہ لازم آتا ہے کہ جو تفسیر حضرت ابن عباسؓ اور حضرت مسعود رضی اللہ عنہما نے اپنی
طرف سے بیان کرتے ہیں وہ نہ مانی جائے اور اس کو بھی کہہ دیا جائے کہ یہ تفسیر بالقرآن
ہے کچھ کو انہوں نے اس کو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنا اور یہی حال ان کے
سوا دوسرے صحابہ کی تفسیر کا بھی سمجھو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین
مفسرین نے جس آیتوں کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے اور مختلف قول فرمائے ہیں
جو کسی طرح ایک دوسرے سے متفق نہیں اور ان سب کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

متناظر ہے اور اگر بالفرض کوئی قول آپ سے سنا ہوا ہو تا وہ باقی احوال متروک ہو جائے
 اس سے قطعاً معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک مفسر نے وہ معنی لیے ہیں جو اس کو استنباط سے
 معلوم ہوا ہے یہاں تک کہ محدث تعلقات کے باب میں جو صورتوں کے شروع میں ہیں
 سات مختلف قول ہیں۔ مثلاً اَللّٰہ میں جسے کہتے ہیں کہ یہ محدث الترحیل میں کے ہیں
 بعض کا قول ہے کہ الف سے مراد اللہ ہے ل سے لطیف اور س سے جیم اور بعض
 اس کے سوا کہتے ہیں ان سب کو جمع کرنا ممکن نہیں تو سب مصنوع کیسے ہو سکتے ہیں۔
 تیسری وجہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کے حق میں دعا
 کی اور فرمایا۔ اللّٰہم فقہہ فی الدّین وحکمہ المتداول۔ یعنی الہی اس کو دین میں
 سمجھو عطا کر اور سنی قرآن سکھا دے۔ پس اگر قرآن کی طرف تاویل بھی مصنوع اور محفوظ
 ہے تو حضرت ابن عباسؓ کو اس کے لئے خاص کرنا کیا معنی ہوں گے۔ چوتھی وجہ یہ ہے
 کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لعلہ الذین یستنبطون منهم یعنی تحقیق کر لیں اس کو جو
 تحقیق کرنے والے اس کے ہیں۔ اس آیت میں اہل علم کے لئے استنباط ثابت کیا اور
 ظاہر ہے کہ استنباط سنی ہوئی چیز کے سوا ہے اور جتنے آثار کہ ہم نے پیوستہ قرآن کے سمجھے
 میں نقل کئے ہیں وہ سب اس خیال کے خلاف ہیں اس سے معلوم ہوا کہ معنی قرآن میں
 شننے کی قید لگانا باطل ہے بلکہ ہر عالم کو جائز ہے کہ قرآن میں سے اپنی فہم اور عقل کے
 موافق استنباط کرے۔ باقی رہی حاضرت تو اس کو دو صورتوں پر محمول کر سکتے ہیں اول
 یہ کہ ایک شخص کی کسی چیز میں ایک رائے ہے اور اس کی طرف طبعیہ میل رکھتا ہے پھر
 قرآن کے معنی اپنی رائے اور اپنی خواہش کے مطابق کہے تاکہ اس کا مطلب درست
 ٹھہرے اور اگر اس کی رائے نہ ہو تو قرآن میں سے یہ معنی اس کو معلوم نہ ہو تو

یہ امر تو کبھی علم کے ساتھ ہوتا ہے جیسے کوئی شخص اپنی بدعت کے درست کرنے کو قرآن کی
 بعض آیات سے حجت لانا ہے حالانکہ جانتا ہے کہ آیت سے یہ مراد نہیں مگر اپنے عقائد کو دھکا
 دیتا ہے اور کبھی یہ نہیں جانتا ہوتا کہ آیت سے یہ مراد نہیں مگر چونکہ آیت حمل کئی وجہ کی ہوتی
 ہے تو اس کی رائے اسی طرف کو دھکتی ہے جو اس کی غرض کے مطابق ہو اور اسی طالب
 کو اپنی قتل اور خواہش سے ترجیح دے لیتا ہے تو ایک صورت رائے سے تعبیر کر نیکی
 یہ ہے یعنی اس تفسیر کا باعث اس کی رائے ہوئی۔ اگر رائے نہ ہوتی تو یہ تعبیر بھی اس کے
 نزدیک غالب نہیں ٹھہرتی۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کا ایک صحیح مطلب ہوتا ہے
 اور اس کے لئے قرآن سے دلیل تلاش کرتا ہے اور ایسی آیت کو حجت کرتا ہے کہ جس
 کے متعلق اس کو معلوم ہے کہ اس آیت سے یہ مقصود نہیں نکلا اگر کوئی پچھلی رات میں لوگوں سے
 لوگوں سے استفسار کئے کہ کتابچہ اور اپنے ثبوت میں اس حدیث کو پیش کرے کہ تسخیر
 فلاح فی السحور ہو کہ آیت اور کہے تسحر سے مراد ذکر کرنا ہے حالانکہ جانتا ہے کہ اس سے غرض تسحر
 کہانے سے ہے یا کوئی شخص کسی سخت دل کو چاہے کہ لے کر کتابچہ اور کہے کہ کہ
 اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اذہب الی فرعون انہ طغی یعنی فرعون کے پاس جا کہ
 اس نے مرٹھا یا ہے اس سے اشارہ دل کی طرف کرے اور کہے کہ فرعون سے مراد
 دل ہی ہے تو یہ بھی رائے سے تفسیر کرنا ہے اس جنس کی تفسیر کو بعض واعظ اپنے
 مقصد کے لئے استعمال کرتے ہیں تاکہ کلام درست ہو جائے اور سننے والوں کو غیبی
 تو حیران کی نیت صحیح ہوتی ہے مگر اس طرح کی تفسیر منوع ہے اور کبھی ایسی تفسیر کو
 فرقہ باطنیہ والے اپنے غراب طالب میں لوگوں کو دھوکا دینے اور ان کو اپنے مذہب
 میں لانے کے لئے استعمال کرتے ہیں اور قرآن کے معنی اپنی رائے اور مذہب کے

متعلق لہدیے ہیں حالانکہ قطعاً جانتے ہیں کہ یہ معنی مراد نہیں ہیں۔ غرض کہ ایک صورت
 رائے سے تفسیر کے معنی کی یہ ہوتی جو مذکور ہوئی یعنی رائے سے مراد وہ رائے ہے جو
 فاسد اور نفس کی خواہش کے موافق ہو یہ نہیں کہ اجتہاد صحیح بھی اس میں داخل ہو اگرچہ
 رائے کا لفظ صحیح اور فاسد دونوں پر شامل ہے مگر کبھی رائے خاص اسی کو کہتے ہیں جو
 خواہش کے موافق ہو دوسری صورت رائے سے تفسیر کے معنی ہوئے کی یہ ہے کہ ظاہر
 الفاظ عربی کے خیال سے تفسیر قرآن کی طرف مبادرت کرے اور اس میں مستانیا کچھ
 نہ ہو۔ قرآن کے غریب الفاظ سے واقف ہونا اس کے بہم تبدیل الفاظ سے مال نہ اختصار
 اور حذف اضمحار پر آگاہ۔ نہ اس کی تقدیم و تاخیر سے خبر دے۔ پس ہر شخص قرآن کی ظاہر
 معانی سے ایسی طرح سے واقف نہ رہتا ہو بلکہ صرف عربی سمجھنے پر اکتفا کر کے معانی
 کے اہتمل پر مبادرت کرنے لگے گا۔ وہ بیشک بہت غلطیاں کر گیا اور رائے سے
 تفسیر کہنے والوں کے زمرہ میں داخل ہوگا۔ کیونکہ ظاہر معنی کے جاننے کے لئے
 نقل و ماحول پہلے چاہیے تاکہ غلطی کے مقامات سے محفوظ رہے۔ تفسیر ظاہری میں غلطی
 ہونے کے بعد فہم و استنباط کی گنجائش بے شک زیادہ ہو جاتی ہے اور جو الفاظ
 غریب کہ بغیر سننے کے سمجھ میں ہیں آتے ان کی بہت سی تفسیریں ہیں۔ ہم ان میں
 سے چند کی طرف اشارہ کئے دیتے ہیں تاکہ ان سے اردوں کا حال واضح ہو اور
 معلوم ہو جائے کہ ابتدا میں تفسیر ظاہر کے یاد کرنے میں سستی درست نہیں اور یہ کہ
 بغیر ظاہر کے پختہ کئے باطنی اثرات تک پہنچنا ناممکن ہے اور جو شخص کہ اسرار قرآنی
 کے سمجھنے کا دعویٰ کرے اور تفسیر ظاہری میں چٹکی چل نہ کی ہو۔ اس کی مثال ایسی
 ہے جیسے کوئی کسی مکان کے فرشین پر پہنچنے کا دعویٰ کرے اور دروازے میں

ہم نہ دیکھا ہو یا یہ دعویٰ کرے کہ میں ترکوں کے کلام کے مطالب سمجھ لیتا ہوں حالانکہ وہ
ترکی متاخرہ سمجھتا ہو کیونکہ تفسیر ظاہری لغت کی تعلیم کے قائم مقام ہے جو سمجھنے کے لئے ضروری
ہے اور جن چیزوں میں متنازعہ ہے وہ کثرت سے ہیں۔

تفسیر ظاہری میں بختہ ہونے کی ضرورت

حذت واخمار | حذت واخمار سے فقہ کر دینا چاہیے وایقنا غود الناقۃ مبعثہ
ظلموا ابھائیں ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک اونٹنی سو جہلے کو ہم نے ٹوڈ کر دی وہاں
نے اپنی جانوں پر اس کے مار ڈالنے سے ظلم کیا۔ عربی کے ظاہر الفاظ کا دیکھنے والا یہ
تھان کر چکا کہ اونٹنی مینا متی اندھی نہ تھی اور یہ جہل جاہل تھا کہ انھوں نے ظلم کیا کیا۔ اور
اسناد پر کیل یا فیہر۔

واشربوا فی قلوبہم العجیل بکفر ہم میں حب کا لفظ محذوف ہے
یعنی گوسالہ کی دوستی اُن کے دلوں میں پلا دی گئی۔ اور اذا لا ذقناک صنعت
الحیلۃ وضعف الممات میں یہ مراد ہے کہ ہم تجھ کو زندوں کے مذاہب کا
دوگنا اور مردوں کے مذاہب کا دوگنا چکھائیں گے۔ یہاں مذاہب کو مذہب کر دیا ہے
اور مردوں اور مردوں کی جگہ حیات و ممات کا لفظ لگے ہیں۔ اس طرح کے حذف
و تبدیل لغت فصیح میں جائز ہیں۔ اور واستعمل القرۃ التي کتنا فیہا میں غلط
اہل محذوف اور پوشیدہ ہے یعنی سوال کو اُس کا دل کے باشندوں سے جس میں ہم تھے
اور نقلت فی السطوات والاحراض میں نقلت کے معنی پوشیدہ
ہونے کے ہیں انہی قلوبت آسان دوزخین دلوں پر پوشیدہ ہے۔ تمام دوسرے کتب

کوئی چیز مخفی ہوتی ہے تو بھاری پڑ جاتی ہے اس لئے لفظ کی تبدیل ہوئی اور اہل کافطہ
 کر دیا گیا۔ اور جو تجھ لوں میں نہ فکرمہ انگہ تکلد بون میں شکر کا لفظ مخدوف ہے یعنی انہی
 روزی دینے کا شکر کرتے ہو۔ کہ مبتلا تے ہو۔ اور وائتا ما وعد تنا علی س سلاک میں لسنہ
 مخدوف ہے یعنی دے ہم کہ جو اپنے رسول کی زبان پر وعدہ کیا ہے اور انا انزلنا فی
 لیلۃ القدر میں پہلے اسکو شب قدر میں اُتار۔ میں منہ فائت قرآن کی طرف ہے حالانکہ
 اس کا ذکر پیشتر نہیں ہوا۔ اسی طرح حتیٰ تو احت۔ بالجواب یہاں تک کہ یہ وہ ہیں
 میں ہمیں کی طرف ہے جو پیشتر نہ کر نہیں۔ اور والذین اتخذوا من دونہ ادلیام ما
 لعبدہم الا لیقر بونا الی اللہ نہ لفی مینی اور جنہوں نے اختیار کئے ہیں اللہ کے
 سوا حاکمیتی (وہ کہتے ہیں کہ) ہم ان کو اس لئے پوجتے ہیں کہ یہ ہم کو اللہ تک پہنچا دیں۔
 میں یہ مراد ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں ما لعبدہم الا لیقر بونا الی اللہ نہ لفی مینی تو
 کہ یہاں سے مذکور دیا ہے اور اس آیت میں فما لھنہن الا القوم لا یکادون یفھون
 حدیثاً ما اصابت من حسنۃ من اللہ وما اصابت من سیدۃ من نفسی مینی
 سو کیا حال ہے ان لوگوں کا جو بات سمجھنے کے لائق نہیں کہ ایک بھلائی تجھ کو پہنچے سو اللہ
 کی طرف سے اور جو تجھ کو بُرائی پہنچے وہ تیرے نفس کی طرف سے۔ یہ مراد ہے کہ وہ انہی کو
 کہ سمجھتے نہیں ما اصابت من حسنۃ اللہ اور اگر یہ مراد نہ ہو تو اس آیت کا مضمون اس بات پر دل
 من جنہن اللہ مینی تو کہ جب ان کی طرف سے ہر شے خلاف ہو جائیگا حالانکہ ظاہر اس حدیث
 فرقہ کا مذہب سمجھ میرا ہے۔

عظیم لہوا | جیسے وطور سینین میں سینا کی جگہ سینین ہے اور سلام علی الیاسین
 منقول ہونا | بجائے الیاس کے ہے اور جنہوں نے اس کو مراد الیاس لیا ہے۔ کیونکہ حضرت

ہی شہد کی قرات میں سلام علی اور یسین ہے

لفظ کا مکرر ہونا جو ظاہر میں کلام کے انتقال کو قطع کرتا ہے جیسے اس آیت میں وما یتبع الذین
یلعنون من حدن اللہ شرکاء ان یبغضوا الا اللعن کر اس کے معنی میں ان یتبعون
مکرر آیا ہے اور اس آیت میں قال الملاحم الذین استکبروا من قومہ الذین استضعفوا
ملن امن منہم کہ اس میں ایک لام اور ایک ضمیر مکرر اور اولین امن من الذین استضعفوا سے
افعال کا مقدم و موخر ہونا یہ غلطی کرنیکا مقام ہے اگر آدمی سمجھ لے تو یقیناً غلطی کر گیا جیسے اس آیت
میں ولو لا کلمۃ سبقۃ من ربنا لکان لکنا ما داحل مستی کہ اس کے معنی لو لا کلمۃ
داخل مستی لکان لکنا ما داحل کو بھی لازماً کی طرح منسوب ہونا چاہیے اور
یسئلونک کا تعلق حنیٰ جنہا میں معنی اس طرح ہی یسئلونک عنہا کا تعلق حنیٰ بھا اور
لھم درجات عند ربھم ومغفرۃ و سرزق کو یہ کیا اخرجات رتبہ میں
بالحق میں کما اخرجک الخ جملہ سابق قل الا نفل للہ والرزق سے مرتبہ ہی معنی
غیبت کے مال تھا رہے لئے اس نئی ہوئے کہ تم اپنے غلو سے راضی ہو اور کافر نادان ہیں یہ تعوی
و غیرہ کا حکم در بیان کلام میں بطور جملہ تعرض کے آگیا ہے اور اس طرح کی آیت یہ ہے حتیٰ تو منوا باللہ
وحده الا قول ابراہیم لا بدیہ لا استغفر خاں لاھ

لفظ کا مکرر ہونا ایسی کوئی کلمہ یا حرف بہت سے معنوں میں مشترک ہو جیسے شے قرین اور امت غیور
اور کلمات مشترک کی مثال میں مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ضرب اللہ مثلاً حبلہ لعلو کا
لا یقلل من حبلہ شیئاً یہاں شے سے مراد اس چیز میں سے قطع کرتا ہے جو اس کو ردی ہوئی
ہے اور وضرب اللہ مثلاً من جلیین احلھما ا یکم لا یقدر علی ان یتغنی میں شے
سے مراد حبلہ لکھتی کے لئے حکم کرتا ہے اور فان اتبعتنی فلا تسألننی عن فیئی میں
مصلحت بہت مرادوں میں فیئ و فہم جن کا دھننا ما فکوا اس وقت تک حلال نہیں جب تک کہ نہ

استحقاق و قابلیت کو شروع نہ کر لے اور اہم خلق و امین خیر شیعہ ام ہم الخالقون میں شے کو غرض خالق ہے اور اس کے ظاہر الفاظ سے کبھی یہ وہم ہوتا ہے کہ جو پھر پیدا ہوئی ہے وہ شے سی پیدا ہوتی ہے اور لفظ قرن کے مشترک ہونے کی مثال یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے و قال قرینہ هذا مالدی اعتنید۔ اس میں قرن کو مراد وہ فرشتہ ہے جس پر مومل ہے اور اس آیت میں قال قرینہ سے بنا ما اطفیتہ قرن سے مراد شیطان ہے۔ لفظ امت عربی میں آنے سے پہلے ہے (۱) بھی جائے جیسے اس آیت میں و جل علیہ امة من الناس یسقون (۲) نبویہ، سودن جیسے یوں ہیں کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں (۳) وہ آدمی کے خیر کا جامع اور شیواہر جیسے اس آیت میں ان ابراہیم کان امة فانا لله حنیفا (۴) دین جیسے آنا و جلنا اباعنا امة میں (۵) وقت اور زمانہ جیسے الی اللہ معددۃ اور واکو جعل امت میں (۶) تد کے معنی میں جیسے کہتے ہیں کہ فلان شخص حسن الامة یعنی خوش قد ہے (۷) وہ شخص جو کسی دین میں نکلتا ہو اس کا اس کوئی شک ہو جیسے انھیں معلوم نے یہ بن عمرو بن لعل کو شک کے ساتھ بھیجتے ہوئے فرمایا تھا امة و حد یعنی امت کا لگانہ اور نکلتا ہے (۸) ملکہ کے معنوں میں جیسے کہیں ہذا امة نہ یدتہ نہ کی مانی ہے اور اس طرح قرآن میں مدح کا لفظ بھی کئی معنوں میں آیا ہے۔

حرف میں ابہام کی مثال فاقرن بہ فقعا غوسطن بہ جمیعاً بحر اٹھائے اس میں گرد و پھچھچانے
 کہتے ہیں کہ اس میں بہ کی اول ضمیر سون کی طرف ہے۔ جواد پر و العادیات جنجاؤن کو بہ یعنی قسم ہے دوڑنے گھوڑوں ہانپنے کی جوشنوں سے گرد اٹھائیں اور دوسری ضمیر بہ کی غارت سے کنایہ ہے جو مضمرات صحیح ہیں یعنی جج کو دہا کرتے اور شکرین کی فوج میں غارت ڈالنے کی قسم ہے اور فاقرن لنا المام فاخر جناہ من محل الثملات میں ضمیر اول ابہام کی طرف ہے اور دوسری پانی کی طرف ہے۔ قرآن مجید میں اس طرح کے ابہام کثرت سے ہیں۔

زہدہ بیان کرتا مثلاً شھیرہ معان الذی انزل فیہ القرآن میں قرآن کا اثر بار معانی کے

مقام ثابت ہو گا کہ یہ اسلام ہوا کہ کون سی خبیثیٰ اور ایچرانا انزل اُنہی لیلۃ القدر سے وہ عقدہ بھی مل
ہو گیا حالانکہ آیات کے ظاہر الفاظ میں اعتلا کا گمان ہوتا ہے۔

الغرض یہ امور اس طرح کے ہیں کہ بغیر فعل اور سننے کے کوئی دوسری بات کافی نہیں اور قرآن بید میں نال
سے لیکر خاک پر قدم کی باتیں بھری پڑی ہیں کیونکہ وہ لغت عربی میں نال ہے اور تو ایجاز و تکرار و اختصار
مذہب ابدال کا تعظیم اور تاخیر کے کلام میں اُن سب پر قرآن مجید جاری ہے تاکہ انکا نام ٹھہرے اور
عاجز کردی جائے کوئی شخص ظاہر الفاظ عربی کو سمجھ کر قرآن کی تفسیر و تفسیر نہ کرے۔ اور ان امور میں سننے اور
سے اعانت نہ لے تو وہ اُن لوگوں میں داخل ہو گا جو قرآن کی اپنی رائے سے تفسیر کرتے ہیں و سئل انت کسے
مشہور ہوئی سمجھ کر اسکی طبیعت اور اسکی کیطرت مائل ہو اور دوسری جگہ جب اس لفظ کو سننے والوں کی رائے ہی
طریقہ جو سننے پر مبنی اُن کے لئے اور اس کے معنی کی کثرت کی تلاش نہ کرے کہ کتنے معنی ہیں قرآن مجید
ہوئی صورت ہے کہ اسرار قرآنی کے سمجھنے کی جیسا کہ پیشہ ذکر ہو ا حاصل یہ کہ جب اس طرح کے اور سننے پر
ہو جائیئے تو ظاہر کی تفسیر یعنی الفاظ کا ترجمہ معلوم ہو جائیگا معترف ترجمہ حافی کے مطابق سمجھنے کیلئے کافی ہیں
حقائق حافی اور فضلی ترجمہ میں جو فرق ہے ہر کو اس مثال کی سمجھنا چاہیو سئل اللہ تعالیٰ غفر اُچھے دعا و حریت
اذ و حیت و لکن اللہ معی اس کا ظاہر ہی ترجمہ تو یہ ہے کہ تو نے نہیں سمجھا جب بھی کلام اللہ تعالیٰ نے چھپکا
حالانکہ اس کے حقیقی معنی میں باریکی ہو سکتی ہے کہ اس میں چھپنے کا ثبوت اور نفی ہر دو چیزیں خطا ہیں جماعہ ضعیفہ
کی صورت یہ امر گئی ہے جب تک یہ ترجمہ کیا جا کہ چھپنا اور اعتبار نہ ہو اور نہ چھپنا اور جہت نہ ہو اور جہت نہ ہو
کہ نہیں چھپنا ہے اس ترجمہ کے ان کے چھپنے کا ہے اس طرح کی یہ آیت بھی جماعہ ضعیفہ بعد اللہ
باید کہہ۔ اس قبیل کی نسبت سنا تو کی طرف سے لفظ تعالیٰ کا فرد کو مذہب دینے ملا اس طرح اور اگر
کہ یہ عقدہ کاٹا اس میں ہے مذہب دینے والا کہ ملا ان کے ہاتھ کو کفار کے قتل کیلئے اُنہی نے جن میں ہی تو پھر ملا ان کو
قتل کیلئے امر کرنے کے کیا معنی میں ان میں کی حقیقت معلوم کا شغافات کے ایک بڑے منہ سے معلوم ہوتا ہے

